٢٥٠١ ٢٥٠٢
~~٣٣٠٣~~ ٧١ ~~٣٣٠٤~~

روض الربى

محبوب الاخلاق

رسالہ

روض الرّبیٰ فی حقیقۃ الرّبوٰ

۲۵۰۱

مُصنفہ جناب ابو الفیض مولانا مولوی محمد حسن صاحب فیضی مرحوم متوطن بھیں
ضلع جہلم

جسکی طبع اول بنام نامی جناب راجہ جہانداد خان صاحب سی آئی ای چیف آف گھکڑ مرحوم نامزد کیگئی تھی (بعد اخذ حقوق تصنیف از مولوی محمد فیض الحسن صاحب مولوی فاضل خلف اکبر مصنف صاحب مرحوم)

بار دوم ۱۹۱۲ء میں

خادم التعلیم سٹیم پریس لاہور میں باہتمام منشی محمد الدین پرنٹر و پبلشر چھپ کر شایع ہوئی

قیمت [illegible]

د ١٠٥٦

بسم الله الرحمن الرحيم

محامد لا في الوهم يحل انحصارها || لواهب نعمى لا يعد خيارها

وأزكى التحيات العليات دائما || على من إذا حفته زاد اعتبارها

وأصحابه النجب الكرام وآله || قلوب أحباء الرسول نثارها

بلاد دمشق فيهن آل محمد || لأبصارنا كحل منير غبارها

أولئك قد دانوا الأراضي وباركوا || ومنهم على الأفلاك بان افتخارها

يصلي عليهم في السماء ملائك || وفي الأرض خضراواتها وحجارها

سقى الله من مزن الفيوض تواليا || أخلاء دين أين كانت ديارها

فيا قوم إن فرقتموا في بلادكم || فعزة دين الله خير جوارها

أخوة إسلام تجمع شملكم || تآليف أشتات القلوب شعارها

محبتنا في الله خير محبة || ورأفتنا للدين أحلى ثمارها

على بعد دار أين كنتم تآلفوا || فرحمة ربي في اتفاق قرارها

سلامي سلام الشوق مبتل عبرتي || عليكم وبل النحر مني انحدارها

أبو الفيض عاص بيض الله وجهه

وإلا ففيه من معاص كبارها

مقدمہ

جتنا جی چاہے ستا لیں تم ایجاد ہمیں   مثل تصویر ہیں آتی نہیں فریاد ہمیں

زمانہ کی موجودہ شکل میں یوں تو عموماً مسلمانوں کا گروہ ہی بدقسمت ثابت ہوا ہے اور اسی قوم کو بدبخت کہنا پڑتا ہے۔ لیکن پھر بھی زمانہ کے مصائب کا نزلہ نسبتاً مسلمانوں میں سے زمینداروں پر زیادہ گرا ہے۔ اور زوال کے اصول کا تقاضا بھی یہی تھا زمیندار ہی اس قوم کی جڑھ تھے اور انہیں کو مسلمانوں کے گئے گذرے عالیشان محل کا اساس کہا جاتا تھا۔ جڑھ ہی کے کاٹنے سے درخت گرتا ہے اور اساس کے گرانے سے یک دم تمام قصر کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ ہندوستان اور پنجاب کے زمینداروں کی تباہ حالت اور ژولیدہ صورت دیکھکر دشمن بھی آنسو بہا رہے ہیں۔ اور انصاف۔ حمیّت۔ مروت۔ انکے غمگذہوں پر نااقطار رو رہے ہیں۔ افسوس اور پھر   نہایت حسرت کا مقام ہے کہ وہ گروہ جو دنیا کی ہر ایک زندہ چیز کی روزی کا متکفل تھا۔ وہ جسکی حلال کمائی میں سے چیونٹیوں سے لیکر والیان ملک تک رسد پہونچتی تھی۔ جو خون کو پانی کی طرح بہاکر جنگل اور پہاڑوں کو انگلیوں سے چیر پھاڑکر سخت گرمیوں اور سردیوں کو ننگے بدن پر جھیل کر کماتا ہے اور پھر شاہ و گدا کے آگے متواضع کھڑا ہوکر رکھدیتا ہے اُس گروہ کی یہ خستہ حالت جو آجکل ہو رہی ہے دیکھ کر کس ظالم کی آنکھوں سے چار آنسو نہیں نکلتے ہونگے۔

سلطنت کے تمام بوجھ زمیندار کے سر پر تھے۔ اور ہیں۔ اور ہوں گے۔ اور زمیندار دنیا کے ابتدا سے اس بوجھ کو نہایت ہمت اور استقلال۔ پھر خوشی اور رضا سے اوٹھاتا آتا ہے۔ مگر اب تو اس کی جسم میں جان نہیں ہے اور یہ گھٹنوں کے بل ہوکر اب منہ کے بل گر پڑا ہے۔ مدبران ملک کی پاکیزہ رائے میں سود کے بغیر کوئی دوسری بلا اس بیکس کو

کی قاتل اور خونریزثابت نہیں ہوئی۔ ہیضہ اور طاعون کے فوری اثر سے اس کا مہلک اور جان کن اثر بدتر اور نہایت ہی مضر پایا گیا ہے۔ اس منحوس کی نہ کوئی حد مقرر تھی اور نہ معیار۔ یہ ظالم زمینداروں کو بغیر لکڑے کھا گیا ہے اور ابھی تک اُس نے ڈکار بھی نہیں لیا۔ اس لادوابلا کی وجہ سے زمینداروں کی تمام جائیدادیں بک گئیں اور ابھی تک یہ مصیبت سر پر ہے یعنی سود باقی ہے۔ جس کا ایفا دیوانی جیل سے ہونے لگا ہے۔ اور بلا مبالغہ پنجاب و ہندوستان کے مختلف حصوں میں اونٹے سے اونٹے کم حیثیت اور بے اصل کراڑوں کے ہاتھوں سے ہر روز بلاناغہ صدہا شریف۔ امیر۔ زمیندار بے عزت ہوتے ہیں حوالات میں جاتے ہیں۔ اور سخت سے سخت گالیاں سنتے اور دم تک نہیں لیتے۔ ہزارہا بابرکت معزز خاندان اس موذی نے تباہ کردیئے اور لاکھوں کے ہاتھ میں اس ظالم نے گداگری کا کچکول پکڑایا بے شبہ زمیندار شاہی تاج کے یاقوت تھے جو صرف بکھرے ہی نہیں ہیں بلکہ ٹوٹے پڑے ہیں۔ کانِ شرافت کے بے بہا موتی جو آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ روشن تھے۔ تیرہ دل اور بے رحم بنیوں کے پاؤں میں روندے جارہے ہیں۔ بلاغ دنیا کے عالم افروز پھول جن پر سعادت اور اقبال کی بلبلیں چہچہاتی تھیں۔ گلشنِ اقبال کے وہ شاداب سرو جن پر جاہ و جلال کی قمریاں گاتی تھیں حیف کہ سود کے خزان اور بادِ صرصر سے گرتے اور اوکھڑے جارہے ہیں۔ ہزارہا عفت مآب اور عصمت شعار پردہ نشینوں کو اس نے دربدر پھرایا ہے۔ اور لاکھوں کو تخت عزت سے اوتار کر خاک مذلت پر بیٹھایا ہے۔ حیف کہ جو قوم ابھی کل یہاں حکمران تھی اور جنکی حکومت کے نشان ابھی تک نہیں مٹے تھے آج اُنکے وارث اس ظالم کی بدولت اُس گروہ کی چلموں کی آگ سلگا رہے ہیں جنکو کل وہ نوکر بھی نہیں رکھتے تھے۔

زینہار از دورِ گیتی و انقلاب روزگار ۔۔۔ درخیالِ کس نہ گفتے کاینچناں گردد چنین

ہمارے انصاف منش گورنمنٹ کی توجہ اس طرف منعطف کرنے کا اس وقت خیال پیدا ہوا جب اس بدبخت گروہ (زمیندارہ) کی جان بلب ہوگئی۔ بعض یوروپین افسر جنکی علمی نظر

وسیع تھی اور شرافت اور دیانت - انصاف - اور حمیت - رحم اور مروت سے زیادہ بہرہ رکھتے تھے - انہوں نے بے انتہا سعی فرمائی کہ زمینداروں کا گروہ اس طوفانِ ظلم سے بچ جائے - ہمارے راولپنڈی کی قسمت کے نیک دل اور نیک نہاد کمشنر ایس ایس تھاربرن صاحب مسلمانوں کی تمام قوم کے شکریہ کے زیادہ مستحق ہیں جنہوں نے بالخصوص اپنے قیمتی وقت کا ایک معتد بہ حصہ اُن تدابیر کے سوچنے پر صرف فرمایا جن سے زمینداروں کا موجودہ تلاطم سے بچ رہنا ممکن ہو - صاحب موصوف نے نہایت جانفشانی اور عرق ریزی سے ایک رپورٹ تیار فرمائی اور زمینوں کے انتقال پھر سود کی شرح وغیرہ میں بیکس زمینداروں کے بہت کچھ حقوق مرعی رکھے - صاحب موصوف کے اس حسن سلوک سے اس غریب گروہ کا بچہ بچہ آپ کو دعا دیتا ہے اور شہروں گانوں کھیتوں میں ہر جگہ آپ کی اس مہربانی کا ذکر خیر ہے اور بیابانوں کے گڈریئے بھی آپ کی اس شفقت بھری نوازشوں کے گیت گا رہے ہیں کہ ایک تباہ شدہ برباد گشتہ گروہ جو سفاکوں کے پانوں کا غبار ہو کر اُڑ رہا تھا - اُڑتا ہوا آپ کی مبارک آنکھ کی نگاہ میں تو آ پڑا - جس پر کافی امید کیجا سکتی ہے کہ وہ غبار آپ کی نگاہ کے کرنوں سے بخار ہو کر بادل بنے گا جو ابر بہار ہو کر برسے گا اور انشاء اللہ العزیز وہ شرافت کے پودے پھر اوگیں گے اور ثروت کی شاخوں پر پھر پھول کھلیں گے - مگر زمینداروں کی موجودہ نسلوں کو شاید یہ مبارک زمانہ دیکھنا نصیب ہوتا ہے یا نہ اس جگہ مجھے اپنے مہربان محترم - مخدوم اعظم - فاضل محسن اللھم اَیّدہُ وَاَیّدہُ مع آلہ واہلہ کا وہ بیت یاد آ گیا ہے جو شب[1] گذشتہ کی ایک خاص مجلس میں انہوں نے مجھے خطاب کرکے پڑھا تھا ؎

ترا بازو مرا قلاب گیرد
پس از ما گو جہاں را آب گیرد

شاید کسی ایسے بابرکت قانون کے نفاذ سے پہلے ہمارا تو خاتمہ ہی ہو جائیگا پر آئندہ نسلوں کے لئے کوئی مبارک زمانہ آنے والا ہے ؎

اَنَا وَ طِغْرَانُ فَاِنَّنِیْ بِلَتِ اِرَحِقُ
مِنَ الدَّھْرِ فَلْیَنْعَمْ لِسَاکِنِکَ الْبَالُ

[1] ۲۵ رمضان شریف ۱۳۵۱ ہجری شب جمعہ کا ذکر ہے۔

رکھے میرے پیارے وطن اگر آنے والے زمانہ میں تجھ میں نہ بھی ہوں۔ تو خدا کرے تیرے بسنے والوں کا دل تو تازہ اور خوش رہے۔

اس تلف شدہ گروہ (زمینداروں) کو اپنے مقدس اور پاک مذہب (اسلام) کی پیروی اپنی جان و مال سے زیادہ عزیز تھی اور ہے پھر اونہوں نے اس پاک مذہب کا یہ مسئلہ سنا ہوا تھا کہ اسلام نے سود لینا اور دینا حرام قرار دیا ہے۔ اس لئے یہ لوگ ابتک سود لینے سے سخت محترز رہے اور بہت سے لوگوں نے کافی روپیہ ہوتے بنیوں سے یا دوسرے غیر مسلموں سے سود لینا قطعًا حرام خیال کر کے اپنا وہ روپیہ سود پر نہ دیا یہانتک کہ اُن کے اخراجات بڑھ گئے زراعتوں کو نقصان پہونچتے گئے اور آخر کار وہ سود دینے کی بلاہیں آر پھنسے۔ سود دینا بھی اگرچہ اسلام میں حرام ہے لیکن علماء وقت نے اُن کو حالت ضرورت میں سود دینے کی تو اجازت دیدی جس کی انتہا یہ ہوئی کہ اب بعض جگہ عورتوں کے فروخت تک نوبت پہونچی ہے (میرے دیہ مسکن میں اس کی ایک نظیر موجود ہے) مگر ہمارے پاک مذہب کے پیشواؤں نے اب تک اس تباہ شدہ قوم کو یہ اجازت نہیں دی کہ تم کو سود لینا بھی کسی طرح سے اپنے حریفوں سے جائز ہے یا نہ سر سید احمد خانصاحب بہادر نے اپنی تفسیر القرآن میں لکھا ہے کہ سود کی حرمت صرف اوسی وقت ہے جب سود مسکینوں غریبوں سے لیا جاوے مالداروں سے سود لینا حرام نہیں ہے۔ لیکن یہ انکی رائے علماء اسلام کی مبارک آراء میں قابل وقعت نہیں تھی۔ اور فی الواقعہ ایسا ہی تھا کہ قرآن و حدیث سے یہ کہیں سے ثابت نہیں ہوتا تھا کہ غربا سے سود لینا حرام ہے اور تونگروں سے حلال ہے۔

میں بھی چونکہ ایک زمیندار تھا اور زمینداروں کی یہ نازک حالت دیکھہ دیکھہ کر میرا کلیجہ منہ کو آرہا تھا۔ اس لئے میں اس سود کے مسئلہ پر غور کرتا رہا۔ میں خیال کرتا تھا کہ ہماری پاک کتاب کی یہ ہدایت تو نہیں ہے کہ جو شخص تمہاری گال پر ایک تھپڑ مارے اوس کے آگے دوسری گال بھی رکھدو۔ بلکہ ہماری مبارک کتاب تو ہمیں ارشاد فرما رہی ہے۔ فمن اعتدیٰ علیکم

فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم۔ جو تم پر تعدی کرتا ہے تم بھی اس پر
کرنے کے مجاز ہو جس قدر کہ اس نے تم پر کی ہے) قرآن کے اصول و ضوابط عدل
پر مبنی ہیں وہ ہمیں راستی کی تعلیم دیتا ہے اور ہمیں رہبانیت سے منع کرتا ہے۔ ظلم اور
روکتا ہے معافی کی بھی تعلیم دیتا ہے (واعفوا واصفحوا) لیکن معافی اور درگذر کے
ہمیں مقام بھی بتلا دیئے ہیں۔ جہاں غیرت پر حرف نہ آوے ہمارے حقوق پر پانی نہ پھرتا ہو
وہاں تو بیشک معافی کا ارشاد ہے مگر جہاں ہمارے حقوق ضائع ہوتے ہوں بوجہ ہم
چھن جاتے ہوں وہاں ہمکو بدلہ لینے کی ہدایت ہوتی ہے پس ایسی صورت میں کہ
حریف غیر مسلم قومیں ہمارے اموال پر بے وجہ اور ناحق بذریعہ ایک ستم بھرے آلہ کے
ہونا چاہتی ہوں وہاں ہم کیوں اوسی آلہ کے ذریعہ اُن سے انتقام لینے کے مجاز
ہیں۔ اس غور کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے قرآن اور احادیث سے صراحتہً معلوم ہوگیا کہ سود دینے
مسلمانوں کو مسلمانوں سے حرام ہے یا اُن غیر مسلموں سے جو مسلمان بادشاہ کی رعیت ہو
اموال بھی مسلمانوں کے اموال کی طرح اسلامی حفاظت میں آگئے ہوں لیکن ایسے غیر
سے سود لینا جنکے اموال اسلامی حفاظت میں نہیں ہیں کیا معنے وہ غیر مسلم کسی مسلمان
کی رعیت نہیں ہیں اون سے سود لینا قرآن نے حرام نہیں فرمایا اور نہ حدیث سے ا
حرمت ثابت ہے۔ اسلام کی کتابوں میں ایسے ملک کو جہاں مسلمانوں کی بادشاہت
اصطلاحی طور پر دار حرب لکھتے ہیں۔ اس لئے مندرجہ بالا مسئلہ کو جس جگہ کہ اسلامی کتا
میں اس عنوان سے لکھا گیا ہے کہ دار حرب میں مسلمان کو غیر مسلم سے سود لینا حرام نہیں
اس لئے مجھے اس مسئلہ کے لکھنے کے لئے دار حرب کا معنے سمجھانا ضروری ہوا ہے۔
کا معنے لکھ کر میں ثابت کروں گا کہ ہندوستان موجودہ صورت پر اس معنے سے دار حرب
کہ اُس کا فرمان روا مسلمان نہیں ہے۔ اسلامی کتابوں میں جہاں کہ یہ لکھا ہوا ہے
دار حرب میں مسلمان کو غیر مسلم سے سود لینا جائز ہے وہاں دار حرب کا یہی معنے ہے کہ ا

ملک کے اموال وجان کی حفاظت اسلامی طاقت کے ہاتھ میں نہ ہو - اور دار حرب
معنی وہاں مراد نہیں ہے - اسلامی قوانین کا ایک حصہ ایسا ہے جس کا نفاذ صرف
اور لوگوں میں مخصوص کر دیا گیا ہے جو اسلامی حکومت کے زیر سایہ رہتے ہوں اسلام جب
ملک پر حاکم ہوتا ہے تو اس کی محکوم رعایا کے اموال اُس کی حفاظت میں آجاتے
تو وہ بلا تمیز ملت رعایا کے اموال کی حفاظت کے واسطے کچھہ قوانین نافذ کرتا ہے جن
واضع خداوند عالم اور اُس کا ہادی حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہے - انہیں قانونوں
سے ربو (سود) کی حرمت بھی ایک قانون ہے جس کے ذریعہ اسلام نے اپنی
زیر حکم رعایا کے اموال کو اس موذی کے پنجہ سے بچانا چاہا ہے - جہاں اسلامی حکومت
ہو وہاں یہ قانون نافذ نہیں ہے البتہ مسلمانوں کے درمیان اس لئے نافذ ہے کہ انہوں
نے اسلام کی روحانی حکومت مانی ہوئی ہے مگر مسلمانوں اور دوسرے مذہب والوں کے
درمیان نافذ نہیں ہو سکتا کیونکہ اُنکے اموال مسلمانوں کی حفاظت اور ذمہ میں نہیں ہیں
وہ ان سے لیتے ہیں تو یہ بھی اُن سے لینے کے مجاز ہیں - ہندوستان کو دار حرب
ماننے سے میرا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں پر یہاں سے ہجرت کرنا فرض
ہے یا یہ کہ مسلمان جو یہاں ہر طرح سے فرایض مذہبی میں آزاد ہیں اس جگہ کسی دوسرے
مذہب والے کے ساتھ غدر - خیانت - جبر - سرقہ - کرنے کے مجاز ہیں - غدر - سرقہ - خیانت
اس دارالامن میں مسلمانوں کی شریعت کے رو سے قطعاً حرام ہے بلکہ یہاں کے مسلمان
باشندے جو گورنمنٹ کی رعیت ہونیکا عہد کر چکے ہیں عہد توڑنے کے مجاز نہیں ہیں اور
اس معاہدہ کے برخلاف کوئی حرکت کریں تو اپنی شریعت کے مجرم ہیں قرآن میں اُنکے
لئے خاص ہدایت موجود ہے - لاینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم
یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المحسنین - ترجمہ
ایسے غیر مسلم جنہوں نے تمہارے دین میں مزاحمت نہیں کی اور تمہیں اپنے وطنوں

سے نہیں نکالا اُن کے ساتھ بھلائی اور انصاف کرنے سے خداوند عالم تمکو نہیں روکتا
کیونکہ خدا تو بھلائی کرنے والوں کو پیار کرتا ہے۔ دار حرب سے یہ نتیجہ نکالنا کہ وہاں کے مسلمان باشندوں کو وہ ملک چھوڑ دینا چاہیے یا والی ملک سے لڑنا چاہئے جہالت کی دلیل ہے نہ ہر دار حرب سے چلا جانا ضروری ہے اور نہ ہر دار حرب کے مسلمانوں کو دار حرب کے والی سے لڑنا جائز ہے بلکہ یہ اوسوقت ہوتا ہے جب وہاں فرایض مذہبی کی ادائیگی پر سخت ترین رکاوٹ ہو۔ چونکہ ہندوستان میں مذہبی فرایض میں آزادی ہے اس لئے یہاں کے مسلمانوں پر نہ ہجرت ضروری ہے اور نہ ان کو اس جگہ کسی قسم کا کوئی غدر یا خیانت کرنا جائز ہے۔ پھر میں ایمان سے کہتا ہوں کہ ہندوستان سے موجودہ صورت کے اندر اگر حسب قواعد شریعت محمدیہ (صلے اللہ علی محمدؐ) ہجرت فرض ہوتی تو پہلا شخص جو ہندوستان سے ہجرت کرتا میں ہی ہوتا۔ مجھے عربی کے اس شیریں سخن شاعر کے قیمتی نصیحت پر عمل کرنے سے ایک لمحہ کے لئے بھی دریغ نہ ہوتا ؎

تَرَحَّلْ عَنْ مَقَامٍ فِيهِ ضَيْمٌ — وَخَلِّ الدَّارَ تَنْعَى مَنْ بَنَاهَا
فَإِنَّكَ وَاجِدٌ أَرْضًا بِأَرْضٍ — وَنَفْسَكَ لَمْ تَجِدْ نَفْسًا سِوَاهَا

میرے خالق کا پاک ارشاد یَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا۔ اس سفر میں میرا سہارا ہوتا۔ اور میں بطحا پھر یثرب کے ریگستان اور دشوار گذر گھاٹیوں کے نشیب و فراز کاٹنے سے کبھی نہ اکتاتا۔ اور مجھے کافی امید تھی کہ عرب میری قدر کرتے ایک تو میرے عربی الاصل ہونے کی وجہ سے دویم یہ کہ میں ان کی اُس پیاری زبان کا بھی عالم تھا جو خدا کی آخری کتاب کی زبان ہے۔ اور روئے زمین کے مسلمانوں کی مذہبی زبان ہونے کے علاوہ دنیا کی مروجہ زبانوں سے فصیح اور زیادہ میٹھی اور وسیع بھی ہے۔ (جو ہندوستان کے مسلمانوں کی بد دماغی اور لاپرواہی سے اب ہندوستان میں چراغ سحری ٹمٹماتی ہوئی سسک رہی ہے انا للہ وانا الیہ راجعون) مسلمانوں کا سلطان (خلد اللہ ملکہ وجاہہ) بھی میری عزت کرتا اور پھر ایسی صورت

ہیں (خدا نخواستہ) مجھے ہندوستان میں واپس آنے کی کبھی ہوس نہ ہوتی۔ لیکن خدا کا ہزار شکر ہے کہ ہندوستان پر ایک صلح کل۔ حقوق شناس۔ بے تعصب۔ کسی کے مذہبی خواص میں نہ دخل دینے والی گورنمنٹ حکمران ہے جس کے زیر سایہ رہکر میں ہر طرح قوم کی خدمت کر سکتا ہوں اور اسلامی برکات کو علانیہ دنیا میں پھیلا سکتا ہوں۔ پھر ایسی صورت میں اور اس خاص ارادہ سے برطانیہ عظمی کا مشکور ہو کر یہاں رہنا قرآنی تعلیم کے مطابق عین صواب ہے۔ بالآخر مجھے خیال ہوا۔ کہ میں اس کتاب کو کسی نامور مسلمان رئیس کی نذر کر کے اُسکے نام پر معنون کر دوں۔ جن وجوہ و اسباب سے یہ خیال مجھے پیدا ہوا ہے اون کو تمام ترلکھنا تو مقصود نہیں ہے لیکن ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہمارے بزرگ نامور مشاہیر علمار اسلام کا یہ ایک دستور چلا آیا ہے کہ وہ اپنی تصانیف کو اپنے زمانہ کے اراکین کے نام پر معنون کرتے رہے ہیں اس نتیجہ خیز تدبیر سے مسلمان بادشاہوں۔ امیروں۔ اور منتخب عہدہ داروں کی توجہ اسلامی کتابوں اور رسالوں کے دیکھنے۔ سننے کی طرف منعطف کرنا مقصود ہوتا تھا بعینہ اسی خیال سے میں اپنی اس کتاب کو جو بلحاظ ایک دینی کتاب ہونے کے دریکتا اور گوہر بے بہا ہے۔ پر اس لحاظ سے کہ اس ناچیز خاکسار کی سعی کا ذخیرہ ہے برگ سبز سے بھی کم قدر ہے۔ اپنے محسن مہربان مخدوم مکرم۔ منعم محترم۔ شرافت پناہ۔ عظمت دستگاہ۔ یادگار سلطنت کبری۔ و نشانِ شوکت عظمی۔ بقیہ دودمانِ کیان۔ گل گلستان نوشیروان۔ عالیجناب خان بہادر۔ راجہ جہاں دادخان صاحب کیانی چیف آف گکھڑ و ایڈیشنل ڈسٹرکٹ جج راولپنڈی طاب اصلہ و فرعہ کی نذر کر کے اُنکے نام نامی پر اس کو معنون کرتا ہوں۔ میں سچے دل سے کہتا ہوں کہ اگر بحکم الارواح جنود مجندۃ مجھے جناب ممدوح الشان سے ازلی روحانی تعارف نہ ہوتا تو مسلمانوں کی موجودہ حالت میں مجھے اس نامور عظیم الشان رئیس کی تلاش کے لئے ایک درجن سال صرف کرنے پڑتے۔ اس دینی کتاب کو آپ کے نام نامی پر معنون کرنے کا سبب صرف یہی نہیں ہے کہ آپ مجھے صرف الٰہی محبت

کرتے ہیں اور المرء مع من احب بلکہ دو اور وجیہ اور زبردست سبب اس انتخاب کے
باعث ہوئے ہیں۔ اول یہ کہ اس قحط الرجال کے زمانے اور مسلمانوں کی اس جہالت
اور ذلت کے طوفان کے وقت میں جبکہ مسلمانوں کے برگزیدہ خاندانوں کے باغوں
سے علوم وفنون ۔ بھر مروت ۔ خداترسی ۔ رحم ۔ اخلاص ۔ ہمدردی ۔ تمدن ۔ کے
پودے اوکھڑ گئے ہیں ۔ اور تقوے ۔ دیانت ۔ کے پھول گر پڑے ہیں ۔ پنجاب میں
آپ ہی ایسے مسلمان رئیس بچے کھچے نظر آتے ہیں ۔ جن کو ایک مذہبی کتاب ہدیہ کے
طور پر پیش کی جاسکے اور اس کے مضامین پر تدبر اور تعمق سے غور کرنے کی توقع
بھی ان سے ہو ۔ الحمدللہ کہ حسب ونسب اور قدیمی شرف موجودہ عزت کے رو سے
جیسے آپ ہمعصر معزز رئیسوں کے تاج ہیں ویسا ہی اپنی فاضلانہ لیاقت کے رو سے
علمار اسلام کے بھی چشم وچراغ ہیں ۔

دوسری قوی اور لطیف وجہ آپ کے انتخاب کی یہ ہے کہ اس کتاب میں جس
کی تحقیقات کی گئی ہے اسکو تمام دنیا کے مسلمان اکابر مجتہدوں سے پہلے صرف
حضرت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ نے قرآن وحدیث سے سمجھا تھا ۔ چونکہ ہمارے مقتدا
حضرت امام بھی کیانی ہیں اس لئے اس کتاب کے ہدیۃً حاصل کرنے کا استحقاق صرف
ایک کیانی رئیس کو حاصل تھا ۔

اَلْمَجْدُ یُوْرَثُ وَالْمَفَاخِرُ دَوْلَۃٌ | لَا تَقْتَنِیْ بِمَوَاهِبٍ وَمَغَاصِبٍ
بِالْجِدِّ یَعْلُو الْمَرْءُ لٰکِنْ بَعْضُ مَا | بِالْجَدِّ یُدْ رَکُ لَا یُرٰی بِمَکَاسِبٍ
کَمْ مِنْ مَعَالٍ حُصِّصَتْ بِقَبَائِلٍ | کَمْ مِنْ مَنَاصِبَ نُضِّدَتْ بِمَنَاسِبٍ

(حاشیہ: ۱ منہ بخشود ۔ ۲ سعی وکوشش ۔)

اللھم ابد وقار خیرۃ العجم بنصرہ وتائیدہ ۔ وشید ارکان دین خیرۃ العرب بھمتہ وتمہیدہ
اللھم ابق ذکر خیرہ فی الدنیا ۔۔۔۔ زادہ ۔ وعلی حسب رضائک یا رب ووفق

ــــــــــــــــ

۵ قال اسمٰعیل بن حماد بن ابی حنیفۃ انا اسمٰعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان من ابناء فارس من الاحرار
ابن خلکان جلد ثانی صفحہ ۲۶۳

...وفق ارادتک باللہ ومرادہ ۞ اللھم صل علی محمد و علی آل محمد از واجہ و احفادہ

میں یقین کرتا ہوں کہ بعض احباب میری اس تحریر کی مخالفت بھی کریں گے

لیکن ان کی خدمت میں صرف اس قدر گذارش کرتا ہوں کہ وہ سادہ اور بے لوث دل...

...ے کر اس کو پڑھیں پھر اپنی رائے میں مختار ہیں۔ مگر مجھے یہ بھی اطمینان ہے کہ قوم میں

اولوالعزم اہل الرائے بھی موجود ہیں اور وہ میری اس تحریر کی قدر کرینگے۔

اِذَا رَضِيَتْ عَنِّيْ كِرَامُ عَشِيْرَتِيْ　　فَلَا زَالَ غَضْبَانًا عَلَيَّ لِئَامُهَا

خاکسار محمد حسن فیضی متوطن بہین علاقہ چکوال ضلع جہلم

ہیڈ مولوی اسلامیہ ہائی سکول راولپنڈی

یکم رمضان شریف ۱۳۱۵ھ

دار اسلام اور دار حرب کی تعریف کے لئے مجھے فقہا کے اقوال اور احادیث کے نقل کی ضرورت
معلوم ہوتی ہے تاکہ مقلد اور غیر مقلد دونوں فریق کی تسلی کا باعث ہو۔ میرے خیال میں دار اسلام
وہ ملک ہے جہاں مسلمان بادشاہ کا حکم نافذ ہو اور ملکی انتظام قوانین شرعیہ پر ہونا ضروری
ٹھہرایا گیا ہو وہاں کے باشندے یا مسلمان یا معاہد (غیر مسلم جس نے مسلمان بادشاہ
کا رعیت ہونا قبول کر لیا ہو) ہوں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ مسلمان بادشاہ کسی غیر مسلم بادشاہ
کے ماتحت نہ ہو۔ بلکہ ایسی صورت میں بھی وہ ملک دار الاسلام ہو سکتا ہے کہ قوانین
ملکی تو مسلمان بادشاہ اپنے اختیار و تصرف سے حسب ارشاد شریعت مطہرہ مقرر کرے
لیکن اُس ملک کا مالیہ کسی دوسری غیر مسلم سلطنت کے آگے ادا کرتا ہو جیسے کہ پانچویں
صدی ہجری میں معتمد بن عباد کے عہد میں قرطبہ اور اشبیلیہ کا حال تھا کہ معتمد اذفونش
قرہ کنل بادشاہ اندلس کے آگے مالیہ دیتا تھا مگر اُس کے شہروں میں اسلامی قوانین
رائج تھے۔ اس کے برخلاف ہو تو وہ دار حرب ہے پھر دار حرب کی دو قسم ہیں۔ دار الامن
اور دار الفرار۔ دار الامن وہ کہ اُس میں مسلمان بادشاہ اور اسلامی قوانین نہیں ہیں لیکن
مسلمان وہاں عبادات میں آزاد ہیں۔ جیسے آجکل ہندوستان یا صلح حدیبیہ کے بعد
مکہ معظمہ۔ دار الفرار وہ جس جگہ مسلمانوں کو مذہبی آزادی نہ ہو جیسے سکھوں کے وقت
میں پنجاب یا صلح حدیبیہ سے پہلے مکہ مکرّمہ۔ مجھے ضروری معلوم ہوا کہ دار اسلام اور دار
حرب کے اس معنی کے ثبوت میں پہلے علماء حنفیہ کے اقوال کو بطور گواہ کے پیش کروں
کافی جو فقہ حنفی کی ایک مستند کتاب صاحب کنز الدقائق کی تصانیف سے ہے اوس
میں دار اسلام اور دار حرب کی تعریف ان الفاظوں سے کی گئی ہے ان المراد بدار الاسلام
بلاد یجری فیھا حکم امام المسلمین ویکون تحت قھرہ وبدار الحرب بلاد یجری
فیھا امر عظیمھا ویکون تحت قھرہ (فتاوی عزیزیہ صفحہ ۱۷ اور جامع الرموز صفحہ ۵۴۲
میں یہ عبادت کافی سے نقل ہوئی ہے) خلاصہ ترجمہ دار اسلام سے وہ قانون مراد ہیں جہاں

ضرو مسلم بادشاہ کا حکم نافذ ہوا اور وہ گانؤں اس کے زیر نگین ہوں پھر درمختار - بزازیہ ہندی
ای قاضیخان - فتاوی سراجیہ - خزانۃ المفتین میں بالفاظ مختلفہ دار حرب
ی یہ تعریف لکھی ہے - دار الاسلام لا تصیر دار الحرب عند ابی حنیفۃ الا
بثلثۃ اشیاء - احدھا ان یکون متصلا بدار الحرب لیس بینہما موضع فی
ید اہل الاسلام والثانی ان یجری فیہا اہل الحرب احکامہم والثالث
ان لا یبقی فیہ مسلم او ذمی امنا بالامان الاول وعندھما اذا اجری
اہل الحرب فی بلدۃ احکامہم صارت دار حرب کیفما کان وھو القیاس
خلاصہ ترجمہ امام اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک تین شروط سے دار اسلام دار حرب ہو جاتی
ہے (۱) کہ وہ کسی طرف سے دار حرب کے ساتھ ایسے طور پر پیوست ہو جاوے کہ
اس کے اور دار حرب کے درمیان کوئی گانو مسلمانوں کے قبضہ میں نہ رہے (۲) کہ اس
میں غیر مسلم اپنے احکام جاری کر لیں (۳) مسلمان بادشاہ کے وقت جن شرائط اور
ضوابط پر وہاں مسلمان اور ذمی رہتے تھے اب وہ شرائط و ضوابط بدل گئے ہوں حضرت
امام محمد اور امام ابو یوسف علیہما الرحمۃ کے نزدیک صرف ایک ہی شرط سے ملک دار حرب
ہو جاتا ہے کہ وہاں غیر مسلم لوگ اپنے قوانین اور احکام جاری کر لیں اور قیاس بھی یہی
چاہتا ہے - صاف ظاہر ہے کہ ہندوستان کو بہت سی طرفوں سے دار حربوں سے پیوستگی
ہے - جیسا انگلستان سے چین سے - اس میں حکام وقت نے اپنے قوانین جاری کئے
ہوئے ہیں - اُن خاص احکام اور قواعد کی پابندی کے بغیر کوئی متنفس بھی ہندوستان
میں نہیں رہ سکتا جن کا نفاذ وقتاً فوقتاً واضعان قوانین کی طرف سے ہوتا رہتا ہے
اور صاف ظاہر ہے کہ قوانین اُن قوانین سے علیحدہ ہیں جو کہ شاہان اسلام کے وقت
ہندوستان میں رہنے کے لئے نفاذ پاتے تھے - پھر جامع الرموز مطبوعہ نولکشور کے صفحہ
۲۴۵ پر زاہدی سے دار حرب اور دار اسلام کی تعریف ان الفاظ سے منقول ہے -

وذکر فی الزاھدی انھا ما غلب فیھا من المسلمین وکانوا فیھا آمنین ود
الحرب ما خافوا فیہ من الکافرین - خلاصہ ترجمہ زاھدی میں مذکور ہے
دارالاسلام وہ ملک ہوتا ہے جہاں مسلمان غالب (بادشاہ) اور بےخطر ہوں اور دارحرب
وہ ہے جہاں مسلمان غیرمسلموں کے ماتحت ہوں اور اُن سے ڈر رکھتے ہوں - دارحرب
کی یہ تعریف فقہاء نے حضرت امام محمد بن حسن شیبانی علیہ الرحمۃ کی کتاب زیادات سے لی
ہے اور زیادات کی عبارت فتاویٰ عالمگیریہ میں بدیں الفاظ نقل ہوئی ہے - قال محمد
فی الزیادات انما یصیر دار الاسلام دار الحرب عند ابی حنیفۃ بشرائط
ثلث احدھا اجراء احکام الکفار علی سبیل الاشتھار وان لا یحکم فیھا بحکم
الاسلام والثانی ان تکون متصلۃ بدار الحرب لا یتخلل بینھما بلدۃ من بلاد
الاسلام والثالث ان لا یبقی فیھا مومن ولا مسلم آمنا بالامان الاول الذی
کان ثابتا قبل استیلاء الکفار للمسلم باسلامہ وللذمی بعقد الذمۃ - خلاصہ
ترجمہ امام محمد زیادات میں فرماتے ہیں کہ دار اسلام امام صاحب کے مذہب میں تین شرطوں
پر دار حرب ہو جاتی ہے پہلی یہ کہ کافروں کے قوانین علانیہ طور پر رائج ہوں اور اُس کو
اسلامی قوانین سے فیصلجات نہ ہوتے ہوں - دوسری یہ کہ وہ ملک دارحرب سے ا
طور پر پیوستہ ہو کہ اُس کے اور دارحرب کے درمیان کوئی گاؤں مسلمانوں کا شہر حائل
نہ ہو - تیسری یہ کہ اس ملک میں مسلمان اور معاہد پہلے طور اور طرز پر رہتے دیئے گئے
ہوں کیا معنی کہ جو امن اسلامی سلطنت میں مسلمان کو صرف مسلمان ہونے کی
سے اور معاہد کو مسلمان بادشاہ کی رعیت ہونے کی وجہ سے حاصل تھا وہ باقی نہ رہا
زیادات کی اس عبارت میں جو فقرہ وان لا یحکم فیھا بحکم الاسلام ہے اس
میں یحکم کا لفظ اسبات کا صریح فیصلہ ہے کہ احکام الاسلام سے مراد فیصلجات
اسلامی ہیں جو حسب قوانین شرعیہ جائز طور پر قاضیان اسلام سے صادر ہوتے

ہیں۔ فقہ کی بعض کتابوں میں اس فقرہ کو اجراء احکام الاسلام سے تفسیر کیا گیا ہے جس کا معنی بعض بزرگان وقت کے خیال میں عبادات کا ادا کیا جانا ہے۔ اُن حضرات کو زیادات کی اس عبارت پر نیز فتاوی بزازیہ کی اُس عبارت پر جس کو چند سطور کے بعد میں نقل کروں گا کافی غور کر لینی چاہئے۔ درمختار میں احکام اسلام کی شرح جمعہ اور عید سے کی گئی ہے مگر یاد رہے کہ جمعہ اور عید ایسے عبادات ہیں جو ائمہ حنفیہ کے مذہب میں اسلامی فیصلجات کے ساتھ لزوم اور مساوات فی   کی نسبت رکھتے ہیں۔ یاد رہے کہ ملک کی صورت تسلط اور تصرف کے لحاظ سے چار طرح کی ہو سکتی ہے اور دنیا میں آج سے پہلے چاروں طرح ہو چکی ہے (۱) ایسا ملک جہاں ملکی تنازعات صرف اسلامی قوانین پر فیصلہ ہوتے ہیں اور اُس کا فرمانروا خود مختار مسلمان ہے (۲) ایسا ملک جہاں ملکی تنازعات صرف غیر مسلم بادشاہ کے وضع کردہ قوانین پر فیصلہ ہوتے ہیں اور اس ملک کا فرمانروا خود مختار غیر مسلم ہے (۳) ایسا ملک جہاں ملکی تنازعات کے فیصلجات اسلامی قوانین کے مطابق قاضیان اسلام بھی کرتے ہیں اور دوسرے نو ایجاد قواعد کے مطابق بھی فیصلجات ہوتے ہیں یا یہ کہ وہاں غیر اسلامی قوانین رائج ہیں بسبب اسکے کہ ملک کے باشندے غیر مسلم ہیں مگر ہر دو صورتوں میں اس ملک کا فرمانروا مسلمان ہے (۴) یہ کہ اس ملک میں دونوں طرح کے قوانین رائج ہیں یعنی اسلامی قوانین میں قاضی خود مختار ہیں اور غیر اسلامی قوانین میں دوسرے حکام ایسے طور پر کہ ایک دوسرے کی مزاحمت نہیں ہوتی یا کہ اُس ملک میں صرف شرع محمدی کے اصول پر ہی تنازعات کا فیصلہ ہوتا ہے مگر اُس ملک کا بادشاہ غیر مسلم ہے اور اس علاقہ سے صرف مالیہ ہی لیتا ہے۔ پہلی صورت میں تو وہ ملک بالاتفاق دار اسلام ہے دوسری صورت میں بالاتفاق* دار حرب ہے۔ تیسری اور چوتھی صورت میں چونکہ علامات کا تعارض ہے اس لئے فقہا نے لکھا ہے کہ جہاں دار اسلام اور دار حرب کے علامات یکجا پائے جائیں وہاں دار اسلام کا حکم دینا چاہئے یا یہ کہ اُس ملک کا جو حال

* علماء وقت کا اتفاق مراد نہیں ہے ۱۲

پہلے تھا اُس کو قایم رکھا جاوے۔ تیسری صورت تو شامی کے مصنف کے زمانہ میں
شام کے جبل دروزا اور اُس کے مضافات میں پائی گئی تھی مصنف مذکور جبل دروا
کو دار اسلام کا حکم دیتا ہے شامی کی جلد ثالث صفحہ ۲۵۳ پر حسب ذیل عبارت موجود ہے
وبهذا ظهر ان ما فی الشام من جبل تیم الله المسمی بجبل الدروز وبعض البلاد
التابعة له کلها دار اسلام لانها وان کانت لها حکام دروزا ونصاری ولها
قضاة على دينهم وبعضهم يعلنون بشتم الاسلام والمسلمين لكنهم تحت حكم
ولاة امورنا وبلاد الاسلام محيطة ببلادهم من كل جانب واذا اراد ولى الا
الامر تنفيذ احكامنا فيهم نفذها انتهى۔ ترجمہ پچھلی تحقیقات سے ظاہر ہو گیا ہے کہ شام
کے علاقہ میں جو جبل دروز واقع ہے اور اُس کے حکام غیر مسلم اور اُن کے مجسٹریٹ اور
جج بھی غیر مسلم ہیں اور بعض وقت وہ لوگ اسلام اور مسلمانوں کو برملا بُرا کہتے ہیں دار ا
اسلام ہی ہے کیونکہ یہ علاقہ ہر طرف سے اسلامی علاقہ سے گھیرا ہوا ہے اور مسلمان
بادشاہ کے زیر تصرف ہے جب بادشاہ چاہے اس علاقہ میں اسلامی قوانین نافذ کر سکتا ہے

چوتھی صورت فتاوی بزازیہ کے مصنف کے زمانہ میں پائی گئی تھی۔ مصنف مذکور
اپنے ملک کو اس صورت میں بھی دار اسلام کا ہی حکم دیتا ہے ملاحظہ ہو اس کی عبارت
قال السيد الامام والبلاد التى فى ايدى الكفرة لاشك انها بلاد الاسلام لعدم
اتصالها ببلاد الحرب ولم يظهروا فيها احكام الكفر بل القضاة مسلمون اما
البلاد التى عليها والى مسلم من جهتهم فيجوز فيها اقامة الجمع والاعياد واخذ الخراج
وتقليد القضاة وتزويج الايامى والارامل لاستيلاء المسلم عليه واما البلاد
التى عليها ولاة كفار فيجوز فيها ايضا اقامة الجمع والاعياد والقاضى قاض
بتراضى المسلمين وقد تقررت ببقاء شئ من العلة يبقى الحكم وقد حكمنا
بلا خلاف بان هذه الديار قبل استيلاء التتار كانت من ديار الاسلام وبعد

بیر استیلاءھم اعلان الاذان والجمع والجماعات والحکم بمقتضی الشرع والفتوی
وروالتدریس شائع بلانکیر من ملوکھم فالحکم بانھا من بلاد دارالحرب
لاوجہتہ لہ نظراً الی الدراستہ والدرایت۔ واعلان بیع الخمور واخذ الضرائب
والبیو والمکوس والحکم من النقض برسم التتار کاعلان بنی قریظۃ بالیھود وطلب
ولہا الحکم من الطاغوت فی مقابلتہ محمدؐ فی عھدہ بالمدینتہ۔ ومع ذالک کانت
بلدۃ اسلام بلاریب وذکرالحلوانی انہ انما تصیر دارالحرب باجراء احکام
الکفر وان لایحکم فیھا بحکم من احکام الاسلام وان تتصل بدارالحرب و
ان لایبقی فیھا مسلم ولاذمی آمنا بالامان الاول فاذا وجدت الشرائط
کلھا صارت دارالحرب وعند تعارض الدلائل والشرائط یبقی ماکان
وترجح جانب الاسلام احتیاطاً انھتی ملخصاً۔ خلاصہ ترجمہ سیدامام فرماتے
ہیں کہ آجکل جو شہر کفار کے ہاتھ میں ہیں وہ دار اسلام ہی ہیں۔ کیونکہ وہ دارحرب سے
متصل نہیں ہیں اور اس لئے کہ کفاروں نے اُن شہروں میں غیر اسلامی قوانین
نافذ نہیں کئے بلکہ قاضی مسلمان ہی ہیں (اسلام کی اصطلاح میں قاضی وہ با اختیار
مسلمان حاکم ہوتا ہے جس کو بادشاہ وقت سے اسلامی قوانین کے موافق تنازعات
فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہو) وہ شہر جن کا والی غیر مسلم بادشاہ کی طرف سے مسلمان مقرر
ہے اُن میں تو جمعہ اور عیدین اور خراج لینا قاضی مقرر کرنا رانڈوں اور یتیموں کا
نکاح کردینا چاہئے کیونکہ اُن شہروں پر مسلمانوں کا تسلط موجود ہے اور جن شہروں
پر غیر مسلم والی غیر مسلم بادشاہ کی طرف سے مقرر ہے (یہ شہر بھی اوسی ملک کے ہیں
جہاں کفاروں نے اپنے قوانین نافذ نہیں کئے) وہاں بھی جمعہ عیدین پڑھنا جائز ہے
اور اس ملک میں قاضی مسلمانوں کے اتفاق اور اجماع سے مقرر ہو سکتے ہیں (یعنی قاضی
جیسے کہ مسلمان بادشاہ یا والی کی تقرر سے مقرر ہو سکتے ہیں ایسے ہی مسلمانوں کے اتفاق

اور بجمار اسے بھی ہو سکتے ہیں بعینہ امانت کبریٰ اور خلافت کی طرح کہ وہ جیسے
خلیفہ کی طرف سے ہو سکتی ہے ایسی ہی مسلمانوں کے اجماعی بیعت سے بھی ہو
ہے یہ قاعدہ ہے کہ جب تک علت کا بقیہ موجود ہو معلول باقی رہتا ہے۔ یہ
تاتاریوں کے تسلط سے پہلے دار اسلام تھا اور اُن کے تسلط سے مابعد بھی فیصلے
شرع کے مطابق ہوتے ہیں۔ اذان۔ جمعہ۔ عیدین۔ فتویٰ۔ تدریس بلا مزاحم
جاری ہے۔ پس ان شہروں کو دار حرب کا حکم دینا درایت اور سوچ کے برخلا
ہے اس ملک میں اگرچہ شراب بیچی جاتی ہے اور ٹیکس وغیرہ لیا جاتا ہے لکن یہ
امر دار اسلام ہونے کو نہیں روکتا جیسے مدینہ میں بنو قریظہ بت کی پرستش کرتے
ہذا مدینہ دار اسلام تھا۔ امام حلوائی نے ذکر کیا ہے کہ کفر کے قوانین نافذ ہونے
اسلامی قوانین کے مطابق وہ فیصلہ ہونے اور دار حرب سے اتصال ہونے اور مسا
اور ذمی کے حق میں پہلے امن کے ٹوٹ جانے سے ملک دار حرب ہو جاتا ہے یہ
شرطیں پائی جاویں تو ملک دار حرب ہوگا اور اگر بعض شروط موجود اور بعض مفقود
تو اُس ملک کا پہلا حکم باقی رہے گا یا اسلام کی جانب کو احتیاطاً ترجیح دیجائے گی

طحطاوی شرح در مختار کی عبارت لو اجریت احکام المسلمین و احکام
الشرک لانکون دار حرب میں بھی احکام المسلمین اور احکام اہل الشرک سے ملکی قو
مراد ہیں جیسے کہ تیسری اور چوتھی صورت میں گذر رہا ہے احکام اہل الشرک سے مشر
کی عبادات اور احکام المسلمین سے مسلمانوں کی عبادات مراد لینا غلط ہے جیسا کہ
ہوگا۔ ایسا ہی فقہ کی بعض روایات میں جیسے فصول عمادی منشور وغیرہ میں جو روا
اس قسم کی ہیں وہ زیادات کے فقرہ ولا یحکم بحکم الاسلام کے معنے میں ہیں
فقرہ میں تو لفظ ولا یحکم صاف بتا رہا ہے کہ حکم سے فیصلہ مراد ہے عبادات مراد نہیں
ہیں اسی طرح اُن روایات میں بھی یہی مراد رکھنا چاہیئے۔ فقہ کی مبسوط کتابوں کے

سے ثابت ہوتا ہے کہ ملک کا دارالاسلام یا دارالحرب ہونا مسلمانوں کے تسلط یا غیر مسلمانوں کے تسلط پر موقوف ہے اور احکام کفر کا اجرا اور دار حرب سے اتصال اور پہلے امان کا بطلان یہ اُس تسلط کا معیار مقرر کیا گیا ہے جیسا کہ شامی جلد ثالث صفحہ ۲۴۲ کی اس عبارت سے واضح ہے وفی الشرنبلالیۃ قبیل باب العشر سئل قاری الھدایۃ من البحر الملح امن دار الحرب او الاسلام اجاب انہ لیس من احد القبیلین لانہ لا قھر لاحد علیہ یعنی شرنبلالیہ کے باب عشر سے تھوڑا پہلے لکھا ہے قاری الھدایہ سے کسی نے بحر ملح کی بابت یہ پوچھا تھا کہ کیا وہ دار حرب سے ہے یا دار اسلام سے آپ نے فرمایا چونکہ اُس پر نہ مسلمانوں کا تسلط ہے نہ غیر مسلموں کا اس لئے وہ نہ دار اسلام سے ہے نہ دار حرب سے۔

علامہ موصوف نے تسلط کی نفی کو دار اسلام اور دار حرب کے نہ ہونے کا دلیل قرار دیا ہے تو حسب قرارداد قواعد علم مناظرہ مسلمانوں کا تسلط دار اسلام کے لوازمات سے اور غیر مسلموں کا تسلط دار حرب کے لوازمات سے قرار پایا۔ تو اب یہ دیکھنا چاہیے کہ جن احکام کا اجرا ملکی تسلط کی دلیل ہو سکے احکام سے وہ احکام مراد رکھے جاویں جس ملک میں مسلمانوں کے ملکی قوانین و احکام، رائج ہوں خواہ کلیۃً خواہ جزئیۃً وہاں تو مسلمانوں کا پورا یا بعض تسلط موجود ہونے کی توقع کی جاسکتی ہے اور ملک کو دار اسلام کہنے کا حق کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔ مگر جس ملک میں مسلمان چند عبادات ادا کرنے سے نہیں روکے جاتے اور اُنکے ملکی قوانین شرعیہ مسدود ہیں وہاں اُن کے تسلط کا کوئی جزو بھی باقی نہیں ہے پھر تسلط کے عدم موجودگی میں اُس ملک کو دارالاسلام کہدینا لازم کے بغیر ملزوم کو موجود کہنا ہوگا۔

درمختار کی عبارت ودار الحرب تصیر دار الاسلام باجراء احکام اھل الاسلام فیھا کجمعۃ وعید وان بقی فیھا کافر اصلی وان لم تتصل بدار الاسلام کا یہ

معنی ہے کہ ایک ملک جو پہلے دار حرب تھا جب اُس میں اسلامی قوانین رائج ہو جاویں اور اُس میں حسب قواعد مقرر کردہ ائمہ حنفیہ جمعہ وعیدین پڑھنا شروع ہو جاوے (جمعہ وعیدین کا پڑھنا حنفیہ کے نزدیک اُسی وقت واجب ہوتا ہے جب قاضی اور امیر وہاں موجود ہوں) تو وہ ملک دارالاسلام ہو جاتا ہے خواہ اُس میں کافر موجود رہیں اور اُس ملک کا کسی دارالاسلام سے اتصال بھی نہ ہو۔ باجرآء احکام اہل الاسلام فیہا سے مطلق عبادات کا بلا مزاحمت پڑھا جانا مراد رکھنا بہ چندیں وجوہ باطل ہے۔

(۱) ابھی گذرا ہے کہ دارالاسلام کے واسطے مسلمانوں کا اُس پر تسلط اور قہر لازمی ہے اور ظاہر ہے کہ محض عبادات کی ادائیگی سے تسلط متصور نہیں ہے۔

(۲) جامع الرموز میں زاہدی سے اس فقرہ کو اس طرح نقل کیا گیا ہے واختلاف ان دار الحرب تصیر دار الاسلام باجرآء بعض احکام الاسلام فیہا۔ اب اگر احکام اسلام سے مطلق عبادات مراد لی جاویں تو بعض احکام الاسلام سے عبادات میں سے ایک مطلق عبادت بھی مراد ہو سکے گی پس اس عبارت کا حاصل یہ ہوگا کہ جس ملک میں عبادات اسلامیہ میں سے ایک عبادت بھی ادا کی جا سکتی ہو وہ ملک بالاتفاق دارالاسلام ہے واضح ہے کہ کلمہ شریف یا صرف لا الہ الا اللہ بھی ایک عبادت ہے پھر اس کو خفیہ پڑھنا بھی عبادت ہے اور جہر پڑھنا بھی عبادت ہے تو اس صورت میں مکہ شریفہ صلح حدیبیہ سے پہلے بھی دارالاسلام ہی ٹھہرا کیونکہ بعض عبادات سے تو کفار وہاں بھی نہیں روکتے تھے بلکہ حضرت صدیق اکبر کو اپنے گھر میں مسجد بنانے اور وہاں قرآن شریف پڑھنے طواف کرنے کی اجازت دے رکھی تھی بلکہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے پر بہت سی مزاحمتیں رک گئی تھیں تاریخ خمیس جلد اول صفحہ ۲۳ پر لکھا ہے فلما اسلم حمزۃ عرفت قریش ان رسول اللہ قد عز وامتنع وان حمزۃ

ہو بمنعہ فکفوا عن بعض ما کانوا ینالون من البنی عم - ترجمہ حضرت حمزہ کے اسلام لانے پر قریش جان گئے تھے کہ اب حضرت رسول خدا کی عزت بڑھ گئی ہے اور وہ محفوظ ہو گئے ہیں اور حضرت حمزہ ان کی حمایت کرینگے اس لئے وہ بعض مزاحمتوں سے رک گئے تھے - پھر حضرت امیر المومنین عمر فاروق کے مسلمان ہونے پر اس سے زیادہ اسلام کی تقویت ہو گئی تھی اور نماز علی الاعلان پڑھنے لگ گئے تھے اور وہ اخفا رفع ہو گیا تھا جسکے کہ حضور علیہ السلام نے آپ کو فاروق کا خطاب عطا فرمایا - حضرت عمر کا یہ قول تمام کتب سیر و تواریخ میں موجود ہے کہ جن مجلسوں میں مینے کفر کا اعلان کیا ہے وہاں اسلام کا اعلان کروں گا - تو پھر عبارت مذکور کے اس معنی کے مطابق تو اس حالت میں مکہ شریف بھی بلا اختلاف دار الاسلام ہی ہوا جس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے -

(۳) یہ تو ظاہر ہے کہ زاہدی اور درمختار کی عبارت میں جو لفظ احکام الاسلام مذکور ہے اُسسے دونوں جگہ ایک ہی معنی مراد ہے کیونکہ وہ ہر دو عبارات ایک ہی مسئلہ کو بیان کر رہی ہیں - پھر زاہدی کی عبارت کے ابتدا میں جو لفظ لااختلاف لکھا ہے اس کا یہ مقتضے ہے کہ اس عبارت کا جو معنی ہے وہ متفق علیہ مسلمہ قاعدہ ہے - اب غور کر لینی چاہئے کہ اگر احکام الاسلام سے مطلق عبادات مراد لیئے جاویں تو اس عبارت کا مضمون اور منطوق یہ ہوگا کہ جو ملک کفار کے زیر تسلط ہو اور اُس میں قوانین ملکیہ بھی کافروں ہی کے رائج ہوں صرف مسلمان عبادات میں بتمامہا یا صرف بعض میں آزاد ہوں تو وہ ملک دار الاسلام ہوگا - اب بتائے کہ یہ اتفاقی مسئلہ ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے یا کہ خود زاہدی ہی میں اس عبارت سے پہلے علے الاتصال وہ عبارت مذکور ہے جو معہ ترجمہ پہلے لکھی گئی ہے کہ دار الاسلام وہ ملک ہے جہاں مسلمانوں کا تسلط ہو اور دار حرب وہ ملک ہے جہاں کافروں کا تسلط ہو - ایسا ہی قاضیخان فتاوی سراجیہ برجندی بلکہ خود درمختار کی پہلی عبارت کے مودی سے صاف برخلاف ہے تو پھر لااختلاف کا کیا معنے ٹھہرا

(۴) احکام اہل الاسلام سے عبادات مراد رکھنے سے یہ روایت سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرت الصحابۃ علیہم الرضوان کے معارض اور منافی پڑتی ہے جیسا کہ انشاء اللہ تعالے اس بحث کے دوسرے حصہ میں عرض کیا جاویگا۔

(۵) بفرض محال اگر یہ معنی ہو بھی سکتا ہے تو وہ معنی بھی تو ہو سکتا ہے جو کہ اس خاکسار نے گذارش کیا ہے اور اس معنی کی مراد لئے جانے سے یہ عبارت پہلی عبارت سے مخالف بھی نہیں پڑتی اور نیز فقہ کی اُن دوسری روایات سے جو کہ میں لکھ آیا ہوں موافق ہو جاتی ہے اور اختلاف اور تعارض رفع ہو جاتا ہے جس کا رفع کرنا ایک اہم اور ضروری امر ہے۔ پھر جب یہ روایت محتمل المعانی ہے تو اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال ایک مسلمہ قاعدہ ہے۔

(۶) اگر یہ انوکھا معنی مان لیا جاوے تو پھر ہر ایک ایسا ملک جہاں بعض عبادات اسلامی ادا کی جا سکیں دار الاسلام قرار پایا تو دار حرب صرف اُسی ملک کا نام رہا جس میں ایک عبادت بھی اسلامی عبادت میں سے ادا نہ کی جا سکے۔ تو پھر ایسے ملک میں سفر کرنا خواہ بغرض تجارت ہو یا کہ بغرض سیاحت ہو یا کہ بطور رسالت ہو حرام محض ٹھہرے گا لیکن ایسا تو نہیں ہے۔ فقہ کی تمام کتابوں میں باب المستامن کے باب کے مسائل ایسے تاجروں کے متعلق ہیں جو دار حرب کا سفر کرتے ہیں اُن کے لئے قواعد وضع کئے گئے ہیں کہ مسلمان تاجر وہاں جا کر غدر نہ کریں سرقہ نہ کریں وغیرہ وغیرہ۔ ہدایہ شریف صفحہ ۵۴۳ پر لکھا ہے مسلمان تاجر اگر دار حرب کا سفر کرے تو ایسی حالت میں وہ قرآن کریم اپنے ساتھ لیجا سکتا ہے کہ دار حرب کا والی اپنے عہد و پیمان کا سچا ہے اور قرآن کریم کی بے تعظیمی کا خیال اُس پر نہیں ہو سکتا۔ پھر خاص دار حرب میں جو مسلمان آباد ہوتے ہیں اُن کے لئے مسائل فقہ کی کتابوں میں درج ہیں مثلاً تلویح صفحہ ۴۹۷ اور شرح وقایہ مع چلپی صفحہ ۲۴۲ پر لکھا ہے کہ جو لوگ دار حرب میں مسلمان ہو کر وہاں ہی ٹھہرے رہے ہیں اُن کو اگر

نہ پہونچنے احکام شرعیہ کے عبادات کی ادائیگی کا موقعہ نہیں ملا تو وہ عند اللہ ماخوذ نہیں ہیں لیکن اگر ایک ثقہ عالم یا دو مستور الحال عالموں نے اُن کو عبادات شرعیہ کی خبر پہونچا دی ہے تو پھر اگر وہ عبادات ترک کریں تو ماخوذ ہوں گے۔ بلکہ قرآن کریم میں صریحًا موجود ہے کہ دار حرب کا مسلمانوں اور مسلمانوں کی عبادات سے خالی ہونا اُس کے تحقق کی شرط نہیں ہے۔ ان الذین امنوا ولم یہاجروا ما لکم من ولایتہم من شیئ حتی یہاجروا فان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الا علی قوم بینکم وبینہم میثاق۔ ترجمہ وہ لوگ جو دار حرب میں ایمان لائے اور وہاں سے ہجرت کر کے دار الاسلام کو نہیں آئے اے دار الاسلام والو تم اُن کے والی نہیں ہو اگر وہ تم سے کوئی دینی امداد مانگیں تو اون کی امداد کرو مگر ایسی قوم کے برخلاف وہ دینی امداد بھی نہ کرو جسکے ساتھ تمہارا عہد و پیمان ہو چکا ہے یعنے غدر نہ کرو۔ اس آیت سے چند مسائل صریحًا معلوم ہوتے ہیں۔

(۱) دار حرب میں مسلمان بھی موجود ہو سکتے ہیں اور مسلمانوں کے موجود ہونے سے وہ دار حرب دار الاسلام نہیں ہو جاتی۔

(۲) اِن ہمیشہ شق مغلوب کے لئے آتا ہے اور اس کی شرط کی نقیض غالب الوقوع ہوتی ہے اور استنصار حالی اور قولی دونوں کو شامل ہے تو فقرہ وان استنصروکم فی الدین اسبات کا عادل گواہ ہے کہ دار حرب کے رہنے والے مسلمان امور مذہبی میں آزاد بھی ہوں تو بھی وہ ملک دار حرب ہی ہے۔

(۳) مسلمان جس غیر مسلم قوم کے ساتھ عہد کر چکے ہوں اُس قوم کے ساتھ عہد شکنی نہ کریں جس کو غدر کہتے ہیں۔ ایسا ہی فقہ کی کتابوں میں ہے کہ امام المسلمین کو دار حرب کے بادشاہ کے ساتھ صلح کر لینا بھی جائز ہے خواہ یہ صلح مال دے کر کی جاوے یا مال لے کر الغرض جس طرح مقتضائے وقت کے مناسب ہو پھر صلح کی حالت میں بھی

وہ ملک دارحرب ہی رہتا ہے صلح جب مال لے کر کی گئی تو گیا دارحرب ہیں جو مسلمان
ہے اُن کا عبادات مذہبی میں آزاد رہنا یہ صلحنامہ کی پہلی شرط نہ ہوگی حالانکہ قرآن
کریم کا یہ ارشاد ہے۔ وَلَا تَھِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ۔

(۷) حضور علیہ السلام دارحرب میں واعظ اور ناصح بھیجا کرتے تھے تاکہ دارحرب
والوں کو پند و نصائح کریں اون کو اسلام کے فوائد بتائیں یا اُن کو حضور علیہ السلام کے
صلح کر لینے کی ترغیب دیں جیسا کہ محیصہ بن مسعود حارثی کو حضور علیہ السلام نے
اہل فدک کی طرف بھیجا تھا تاکہ وہ اُن کو اسلام کی دعوت کرے پس یہ حضرت وہاں چند
یوم ٹھیرے اور اُن کو کہا کہ اگر تم مسلمان نہیں ہوگے تو حضور علیہ السلام تمہارے
جنگ کریں گے آخر محیصہ رض کے کہنے پر انہوں نے آنحضرت سے فدک کے نصف حصہ
صلح کر لی جیسے الخمیس کی جلد اول صفحہ ۶۴ پر بالوضاحت درج ہے فدک کا اُسوقت
دارحرب ہونا دلیل کا محتاج نہیں ہے۔ ایسا ہی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ
عنہ کو حدیبیہ کے دن مکہ شریفہ میں بھیجا گیا قریش نے آپ کو طواف کرنے کی اجازت
دیدی آپ وہاں نمازیں پڑھتے رہے کسی نے نہ روکا پھر کیوں مکہ فتح سے پہلے دارالاسلام
نہ بنا۔

(۸) شمس الہند مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی علیہ الرحمۃ بھی اپنے فتوے
میں اس عبارت کا یہی معنے کرتے ہیں جو اس خاکسار نے گذارش کیا ہے یہ فتوے
فتاوی عزیزیہ کے صفحہ ۱۷ پر بدیں الفاظ مرقوم ہے۔ در کتب معتبرہ اکثر ہمیں روایت
اختیار کردہ اند کہ دارالاسلام دارحرب مے تواند شد بشروط ثلثہ در مختار مے نویسد لا
تصیر دار الاسلام دار الحرب الا بامور ثلثۃ باجراء احکام اھل الشرک و
اتصالھا بدار الحرب وبان لا یبقی فیھا مسلم او ذمی امنا بالامان الاول علی
نفسہ و دار الحرب تصیر دار الاسلام باجراء احکام اھل الاسلام فیھا۔ در

مسلمان کے نویسد۔ ان المراد بدار الاسلام بلاد تجری فیہا حکم امام المسلمین
وتکون تحت قہرہ وبدار الحرب بلاد یجری فیہا امر عظیمہا وتکون تحت
قہرہ و درایں شہر حکم امام المسلمین اصلا جاری نیست و حکم روسائے نصارے بے
دغدغہ جاری ست و مراد از اجرائے احکام کفر این ست کہ در مقدمہ ملک داری و بندو بست
رعایا و اخذ خراج و باج و عشور اموال تجارت و سیاست قطاع الطریق و سراق و
فصل خصومات و سزائے جنایات کفار بطور خود حاکم باشند آرے اگر بعض احکام
اسلام را مثل جمعہ و عیدین و اذان و ذبح بقر تعرض نکنند نکردہ باشند لکن اصل الاصول
این چیزہا نزد ایشان ہباء و ہدر است زیرا کہ مساجد را بے تکلف ہدم مے نمایند و ہیچ
مسلمان یا ذمی بغیر استیمان ایشان درایں شہر و در نواح آں نمی تواند آمد برائے منفعت
خود وقیدار دین و مسافرین و تجار مخالفت نمے توانند و ازیں شہر تا کلکتہ عمل نصاری
ممتد است آرے در چپ و راست مثل حیدرآباد و لکھنؤ و رامپور احکام خود جاری
نکردہ اند بہ سبب مصالحت و اطاعت مالکان آں ملک و از روئے احادیث و تتبع
سیرت صحابہ کرام و خلفائے عظام ہمیں مفہوم مے شود زیرا کہ در عہد حضرت صدیق
بر بنی یربوع را حکم دار حرب دادہ بودند حالانکہ جمعہ و عیدین و اذان آنجا جاری بود
را انکار حکم زکوۃ کردہ بودند و ہم چنیں یمامہ و گرد نواح آنرا حکم دار حرب دادند باوجودیکہ مسلمان
را آنجا موجود بودند و علی ہذا القیاس در عہد خلفائے کرام ہمیں طریق مسلوک بود بلکہ در عہد
حضرت پیغمبر فدک و خیبر را حکم دار حرب فرمودند حال آنکہ تجار اہل اسلام بلکہ بعض سکنہ آنجا
نیز دراں مکانات و وادی القری مشرف باسلام بودند و فدک و خیبر را کمال اتصال بود
بہ مدینہ منورہ۔ پھر مولانا مرحوم و مغفور کا فتاوی عزیزیہ کے صفحہ ١٠٥ پر ایک اور فتوےٰ
بدیں الفاظ مرقوم ہے۔ و آنچہ مرقوم شدہ کہ معمولہ انگریز و اشباہ ایشان دار حرب ست
یا نہ پس بدانند آنچہ کہ میگویند کہ دار اسلام گاہے دار حرب نمے شود ایں قول مرجوح ست

واضح آنست کہ دارالاسلام دارحرب میشود دریں اختلاف ست کہ کے مے شود
بگویند کہ اگر یک چیز از شعائر اسلام ممنوع باشد مثل اذان وختان دارحرب
طائفہ گفتہ مدار صیرورت دارالاسلام دارحرب بر محو شعائر اسلام نیست بلکہ
کفر بے دغدغہ باعلان رواج گیرند دارحرب مے شود گو شعائر اسلام ہم۔ برقرار
فرقہ سیوم ازایں ہم ترقی کردہ اند وگفتہ اند حد دارحرب آنست کہ ان لا یبقی
ولا ذمی آمن بالامان الاول سواء ترک بعض شعائر الاسلام اولا و
اعلن شعائر الکفر اولا ہمیں قول ثالث را محققین ترجیح دادہ اند و برایں
معمولہ انگریز و اشباہ ایشاں بلاشبہ دارحرب ست واللہ تعالےٰ اعلم۔

حضرت مولانا مرحوم کا ایک اور فتوے بھی ہے جو آپ کے فتاوی عزیزی
صفحہ ۱۵ پر بدیں الفاظ درج ہے۔ مراد از دارحرب کہ ازاں ہجرت فرض باشد
حرب ست کہ در بیان اظہار دین چوں صوم وصلوۃ جمعہ وجماعات وافار
سکان آنجا را ممانعت نمایند واگر چنیں نباشد بلکہ مسلمانان آنجا اظہار دین خود بے
مے کنند وجمعہ وجماعات را قائم مے دارند وبیان احکام دین خود بے تکلف
پس ازاں دارحرب ہجرت فرض نیست مولانا مرحوم کا ایک اور فتوی آپ
فتاوی کے صفحہ ۱۲۲ پر بدیں الفاظ درج ہے کہ۔ چوں اقامت مسلمانان با
ایشان گردد وتصرف باملاک خود باذن ایشان کنند وجریان شعائر الاسلام
تعصبی ایشان باشد نہ از روئے قوت مسلمانان آن ملک دارحرب مے گردد۔
ہندوستان کے مسلمانوں کے دوسرے رکن مولانا محمد عبدالحی صاحب مرحوم
نے پہلے تو عبارت مذکور کے فقرہ وان لا یحکم فیہا بحکم الاسلام کا یہی معنی
کہ یہاں نماز روزہ وغیرہ عبادات روکیں جائیں۔ چنانچہ اسی بنا پر آپ نے مولوی
صاحب کے جواب میں شعبان ۱۲۹۹ ہجری میں ہندوستان کو موجودہ صورت

ب۔ اور صاحبین کے مذہب پر بالاتفاق دارالاسلام قرار دیا تھا اور مولانا مرحوم کا وہ
سو گئے آپ کے فتاوی جلد دوم کے صفحہ ۱۰۲ پر درج ہے لیکن مولانا مرحوم نے
قول فتوی سے رجوع فرمالیا چنانچہ بالآخر آپ نے مان لیا کہ پہلی شرط جو صاحبین
فی صاحب کی بالاتفاق مانی ہوئی ہے اس کے مطابق تو ہندوستان آجکل دارحرب
ی دو شرطیں جو صرف امام صاحب کی تجویز کردہ ہیں اُنکے پائے جانے پر امام صاحب
یا ایک بھی دارحرب ہوجاوے گا سو اُن دو شرطوں کے پائے جانے میں تو کوئی تنازع
بس تنازع تو صرف پہلی شرط کے تحقق ہی میں تھا مولانا مرحوم کا یہ فتوی آپ کے
عزیزی کی جلد سیوم کے صفحہ ۹۵-۹۶ پر بدیں الفاظ منقول ہے۔ سوال در عملداری
ر آری کہ اہل اسلام مبالغ نزد نصاری جمع مے سازند و سود آن از نصاری مے گیرند
فا او وثیقہ مے نامند درست یا نہ۔ جواب در دارحرب میان مسلم و کافر حربی
سبب ربو درست ست چنانچہ در نقایہ مے آرند ولا ربوا بین مسلم و حربی فی دارہ
ش و عملداری نصاری بنا بر مذہب صاحبین بہ سبب آنکہ شعائر کفریہ و غیرہم باعلان
اسج گرفتہ دارحرب ست پس وثیقہ درست ست و بنا بر مذہب امام اعظم علیہ الرحمۃ دار
ی باام کہ دارحرب مے شود مشروط ست بہ شروط ثلثہ بر تقدیر تحقق شروط ثلثہ عملداری نصاری
م انہ دارحرب خواہد گشت و وثیقہ جائز خواہد شد برجندی در شرح نقایہ مے نویسد فعند ابی حنیفۃ
ہم لا یصیر دار الحرب الا بثلثۃ اشیاء احدہا ان یکون متصلا ببلاد الحرب لیس
رجنہما موضع فی ید اہل الاسلام والثانی ان یجری فیہا اہل الحرب احکامہم
ن بہ والثالث ان لا یبقی فیہ مسلم او ذمی امنا بالامان الاول یعنی فہما اذا اجری
ولہ اہل الحرب فی بلدۃ احکامہم صارت دارحرب کیفما کان کذا فی فتاوی
ت قاضیخان و عالمگیری سے آرہ عین حضرت کے مبارک خیال میں فقہ کی روایات

سے مولانا عبدالحی کا فتوی منقول از صفحہ [illegible]

قابل اعتماد نہ ہوں اور اُن کا مشرب کتاب اللہ وسنتہ الرسول سے بلا توسط نقل
کرنے کا ہو اُن کی تسلی خاطر کے لئے مکہ مکرمہ کے حالات جو صلح حدیبیہ کے بعد قبل
فتح رہے ہیں اور جو احادیث۔ تواریخ سے بسط تام سے ملتے ہیں لکھتا ہوں۔ یہ
ہے کہ مکہ مکرمہ قبل از فتح دار حرب ہی رہا ہے اور حدیث لا ھجرۃ بعد الفتح مرویہ صح
اور اس کی ہم معنی دوسری احادیث سے واضح ہے۔ باقی یہ امر بھی احادیث کے
کرنے والوں پر پوشیدہ نہیں ہے۔ کہ حدیبیہ کے صلح کے دن شروط قرارداده صلح
ایک شرط یہ بھی تھی کہ فریقین کے ہم عہد ہر جگہ آزاد اور بے خطر رہیں اسی شرط کے
مکہ مکرمہ کے مسلمان قریش کی طرف سے بیخطر اور اپنے مذہبی فرائض میں آزاد ہو گ
تھے۔ بلکہ قریش ان مسلمانوں کے پاس آکر مواعظ سنتے اور اسلام کی برکات۔ حض
علیہ السلام کے مبارک عادات کا تجسس کرتے رہتے تھے۔ مسلمانوں سے میل جول ہو گ
تھا۔ اور اُن سے مانوس ہو کر بہت کچھ سدھر گئے تھے۔ علامہ بدر الدین عینی نے بنا
باب کیفیۃ القتال میں اور امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں بیہقی نے دلایل النبوۃ
میں۔ ابن اثیر نے تاریخ کامل میں۔ ابن شحنہ نے روضۃ المناظر میں اور دوسرے علم
حدیث نے صلح حدیبیہ کا واقعہ اس طرح پر بیان کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے حدیبیہ
میں قریش مکہ کے ساتھ جن شرایط پر صلح کی تھی اُن میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ فریقین
کے آدمی محفوظ رہیں اور جو شخص یا قوم فریقین میں سے کسی کے عہد میں آجاوے
اُس کو نہ چھیڑا جاوے کامل التواریخ جلد ثانی کے صفحہ ۸۰ پر لکھا ہے امن الناس کلھ
یعنے اس صلح کے بعد سب لوگ بے خطر ہو گئے تھے الناس کے لفظ میں تمام دنیا کے
لوگ بھی نہیں آسکتے اور اسے مسلمین مکہ کسی طرح خارج بھی نہیں ہیں۔ روضۃ المناظر۔
کامل التواریخ میں اس شرط کو اس عبارت سے بیان کیا گیا ہے من احب ان یدخل
فی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دخل ومن احب ان یدخل فی عھد

قریش دخل - یعنی جو چاہے حضور علیہ السلام کی پناہ میں آجاوے اور جو چاہے قریش کے عہد میں آجاوے۔ مَنْ کا لفظ عام ہے مسلمین مکہ کو بھی شامل ہے اور وہ غریب تو حضور علیہ السلام کے عہد میں تھے ہی پس انہوں نے بھی تو اس شرط سے فائدہ اوٹھایا تھا۔ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب التفسیر میں اور بغوی نے معالم التنزیل میں لکھا ہے۔ لم یکن فتح اعظم من صلح الحدیبیۃ و ذلک لان المشرکین اختلطوا بالمسلمین وسمعوا کلامھم فتمکن الاسلام فی قلوبھم واسلم فی ثلث سنین خلق کثیر وکثر سواد الاسلام۔ ترجمہ صلح حدیبیہ سے کوئی فتح بھی زیادہ نہیں تھی کیونکہ اس صلح کے سبب مشرک لوگ مسلمانوں سے ملنے جلنے لگے اور اُن کی باتوں کو سننے لگے پس اسلام دلوں میں گھر کر گیا اور صلح کے تین سالوں میں بہت سے لوگ مسلمان ہوگئے اور مسلمانوں کی جمعیت بڑھ گئی۔

ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوۃ حدیث اِنَّ قُرَیْشًا صالحوا النبیّ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ اِنَّھُمْ قبل الصلح لم یکونوا یختلطون بالمسلمین وجاؤا الی المدینۃ وذھب المسلمون الی مکۃ وخلوا باھلھم واصدقاءھم وغیرھم ممن یستنصحونہ وسمعوا منھم احوال النبی صلعم ومعجزاتہ الظاھرۃ واعلام نبوتہ المتظاھرۃ وحسن سیرتہ وجمیل طریقتہ وعاینوا بانفسھم کثیرا من ذلک فمالت نفوسھم الی الایمان حتی بادر خلق منھم الی الاسلام قبل فتح مکۃ و واسلموا بین صلح الحدیبیۃ و فتح مکۃ وازداد الاخرون میلا الی الاسلام فلما کان یوم الفتح اسلموا کلھم لما کان قد تمھد لھم من المیل وکانت العرب غیر قریش فی البوادی (ازمرقات قلمی از کتبخانہ ہرات ورق ۲۸۰) ترجمہ مشرک صلح سے پہلے مسلمانوں سے اختلاط نہیں کیا کرتے تھے۔ صلح سے بعد مشرک مدینہ طیبہ میں آنے جانے لگے اور مسلمان مکہ مکرمہ میں اختلاط نہیں کیا کرتے تھے۔ صلح سے بعد مشرک مدینہ طیبہ میں

آنے جانے لگے۔ کفار مکہ حضور علیہ السلام کے معجزات اور آپ کی نبوت کے واضح دلائل
اور آپ کے اخلاق حمیدہ ان مسلمانوں سے سنتے تھے اور خود بھی دیکھتے تھے اس لئے
اُن کے دل اسلام کی جانب پھر آتے یہانتک کہ فتح مکہ سے پہلے بہت سے لوگ مسلمان
ہوگئے اور دوسروں کا دل اسلام کی طرف پھر آیا۔ اس تمہید کے لئے فتح مکہ کے دن تمام
قریش مسلمان ہوگئے۔ عرب کی دوسری قومیں قریش کا انتظار کر رہی تھیں وہ بھی قریش
کو دیکھ کر مسلمان ہوگئیں۔ حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۳۹۹ پر صلح نامہ کی عبارت
ان الفاظ سے لکھی ہے پس امیر المومنین نوشت کہ این نامہ ایست کہ صلح کردند برآں
محمد بن عبداللہ و اشراف قریش و سہیل بن عمرو صلح کردند کہ دہ سال درمیان ایشاں جنگ
نباشد و دست از یکدیگر بردارند و غارت بر یکدیگر نبرند و خیانت بر یکدیگر نکنند و صندوق سربستہ
درمیان ایشان باشد کہ کینہائے دیرینہ را در آں گذارند و دیگر نہ کشایند و بشرط آنکہ ہر کہ خواہد
در عہد و پیمان و امان محمد درآید و ہر کہ خواہد در عہد و پیمان و امان قریش درآید بشرط آنکہ ہر کہ
بے رخصتی ولی خود بنزد محمد بیاید باو بگردانند و ہر کہ از اصحاب حضرت نزد قریش رود باو نگردانند
و آنکہ اسلام در مکہ ظاہر باشد و کسے را بر دینش اکراہ نکنند و کسے را بر دینش ایذاء و ملامت
نرسانند و آنکہ محمد امسال برگردد با اصحاب خود و در سال آئندہ بیاید و سہ روز در مکہ بماند
و حربہ و اسلحہ داخل نشوند مگر سلاحی کہ مسافران را مے باشد کہ شمشیرہا در غلاف مے باشند۔
حیات القلوب اگرچہ ملا محمد باقر مجلسی شیعہ کے تصانیف سے ہے مگر شیعہ ہونا اخذ روایت
میں حارج نہیں ہے جھوٹھ کہنا مسلمانوں کے جملہ مذاہب میں حرام ہے اور ثقہ مسلمانوں
کے ہر ایک مذہب میں ہوتے ہیں صرف تشیع سے کسی شخص عالم کی روایت کو نظر انداز کرنا
شیعوں کو موقعہ دیتا ہے کہ وہ اہل سنت وجماعت کے ثقات کی روایات کو صرف اُنکے
تسنن کی وجہ سے غیر معتبر کہہ دیں پھر تحقیقات کا سلسلہ بالکل معدوم و نابود ہو جائے گا۔ اہل
سنت وجماعت کے محدثین میں یہ بات قابل تعریف ہے کہ انھوں نے اخذ حدیث میں

بلا تمیز مذہب صرف ثقاہت کے لحاظ سے شیعہ۔ قدریہ۔ خارجیہ۔ سے منہ نہیں چھپایا
بلکہ الحکمۃ ضالۃ الحکیم اخذ ھا حیث وجدھا پر عمل فرمایا ہے۔ امام بخاری نے
اپنی صحیح میں ہر مذہب کے مسلمانوں سے حدیث روایت کی ہے کتاب الایمان میں عبداللہ
بن موسے بن باذام۔ اور عوف ابن ابی جمیلہ سے روایت کی ہے اور وہ ہر دو شیعہ ہیں
اور باب ماقیل فی اولاد المسلمین میں عدی بن ثابت سے روایت ہے جو غالی شیعہ
ہے باب اخفاء الصدقہ میں علی بن جعد سے روایت ہے جو متشیع ہے۔ ابو معاویہ محمد بن
حازم مرجیہ سے بھی روایت کی ہے۔ پھر ہشام بن ابی عبداللہ عبداللہ بن ابی نجیح۔ ابو معمر
بن عمر۔ سے روایت کی ہے جو قدریہ ہیں۔ باب وجوب الزکوۃ میں زکریا بن اسحاق مکی کی
روایت ہے اور وہ بھی قدریہ ہے۔ عکرمہ ابو عبداللہ مدنی خارجی بھی امام بخاری کا
راوی ہے۔ لبس الحریر کے باب میں عمران بن خطان راس الخوارج کی بھی روایت ہے
جس نے ملعون ابن ملجم قاتل مولانا علی رضی کی مدح میں قصیدہ لکھا تھا۔ شیعہ محدثین کی زبردستی
ہے کہ ان کے ہاں راوی کا اہل سنت جماعت ہونا اس کے کذاب ہونے کی دلیل ہے
میں نے کلینی کے اصول میں چند ایک جگہ لکھا دیکھا ہے کہ ائمہ اہل بیت سے اگر ایک مسئلہ
میں مختلف روایتیں ہوں تو جو روایت اہل سنت جماعت کی روایات سے ملتی جلتی ہو
اس کو غلط سمجھو۔ خیر حیات القلوب کی یہ روایت تو مرقات اور فتح الباری کی ان عبارات
کا خلاصہ ہی ہے جو میں لکھ چکا ہوں ۔

اس صلح کا فسخ جس عہد شکنی سے ہوا ہے وہ بھی اس امر کا گواہ ہے کہ قریش مکہ
نے حضور علیہ السلام کے تمام ہم مذہبوں کے ساتھ نہ چھیڑنے کی حلف اوٹھائی تھی علی قاری
حنفی مرقات حدیث اصطلحوا علی وضع الحرب عشر سنین کی شرح میں لکھتے ہیں
ثم ان بنی بکر الذین دخلوا فی عقد قریش وثبوا علی خزاعۃ الذین دخلوا
فی عقد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بماء لھم یقال لہ الوتیر قریب من مکۃ

وقالت قریش ھذا لیل ولا یعلم بنا محمدؐ ولا یرانا احد فاعانوا بنی بکر بالسلاح و قاتلوا خزاعۃ معھم و رکب عمرو بن سالم الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخبرہ الخبر الخ۔ ترجمہ پھر بنو بکر جو قریش کے طرف دار تھے خزاعہ پر جو حضور علیہ السلام کے ہم مشرب تھے و تیر پر جو مکہ مکرمہ کے پاس ایک چشمہ ہے کود پڑے۔ قریش نے کہا یہ رات کا وقت ہے ہمیں نہ محمدؐ دیکھتا ہے اور نہ کوئی اور انہوں نے اپنے طرفداروں کو اسلحہ اور گھوڑوں سے امداد کی۔ عمرو بن سالم یہ خبر لے کر حضور علیہ السلام کے پاس مدینہ میں فریادی گیا الخ خیال کرنے کی بات ہے کہ مکہ کے قریب خزاعہ کے ساتھ قریش کا لڑنا اگر عہد شکنی میں داخل ہے تو پھر مکہ مکرمہ میں مسلمانوں سے لڑنا کیوں عہد شکنی میں داخل نہ ہو۔ فقرہ ھذا لیل ولا یعلم بنا محمد ولا یرانا احد بتا رہا ہے کہ قریش کو عہد شکنی کا خوف تھا اور وہ اس واقعہ سے پہلے عہد شکن نہیں ہو چکے تھے۔

دار الاسلام کے لفظ پر بھی اگر تھوڑی سی غور کی جاوے تو یہ خود تعریف بتا دیتا ہے۔ دار کا معنے ہے ملک اور ملک کی اضافت اسلام کی طرف کفر کے مقابلہ پر بالبداہۃ تخصیص کے مفید ہے اور بتا رہی ہے کہ جو تعلق اس ملک کو اسلام کے ساتھ ہے وہ تعلق اس کو کفر کے ساتھ نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ ایسا تعلق جب ہی ہو سکتا ہے کہ وہ ملک اسلام کے زیر حکم ہو اور غیر مسلم وہاں مسلمانوں کی رعایا ہوں۔ پھر اضافت کا یہ مفاد اور منشا کوئی مشتبہ یا ظنی نہیں بلکہ قرائن قاطعہ کی معونت سے یقینی اور قطعی ہے۔ مالک بن نویرہ کو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ان صاحبکم قد توفی کے بولنے پر قتل کر دیا تھا کہ صاحبکم میں صاحب کی اضافت کم کی طرف مفید اختصاص ہے جس کا یہ مقتضا ہے کہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہمارا صاحب ہی اور مالک کا نہیں ہے اور یہ صریح کفر ہے الغرض کفر جس کا اثبات بدون دلیل قطعی کے ناممکن ہے وہ بھی اضافت کے اختصاص سے ہو سکتا ہے۔

حضرت صدیق اکبر کے زمانہ میں جب قومیں مرتد ہوئیں اور اُن کے ملک کو
دارحرب کا حکم دیا گیا تھا تو اُس وقت بھی اُس ملک میں بعض لوگ مسلمان باقی
رہ گئے تھے۔ کامل التواریخ جلد ثانی کے صفحہ ۱۴۱ پر ملاحظہ فرمائیے کہ حضور علیہ السلام
کی وفات کی خبر سنکر بکر اور عبد القیس دونوں قومیں مرتد ہوگئیں عبد القیس تو جارود
بن معلی عبدی کے کہنے پر پھر اسلام پر ثابت قدم ہوگئے بکر مرتد ہی رہے مگر اُس وقت
اُن کے ملک بحرین کو دارحرب مانا گیا۔ ایسا ہی جب خالد بن ولید کو حضرت صدیق نے
فارس کی حدود پر بھیجا تھا تو وہاں جس جس ملک کو دارحرب مانا گیا تھا اُس ملک میں
بھی بعض لوگ مسلمان ہوتے تھے۔ فرات کے قریب جو۔ لیس۔ کا واقعہ ہوا تھا۔ اس
کو کامل التواریخ کی جلد ثانی صفحہ ۱۴۹ سے دیکھا جاوے تو لکھا ہے کہ اس واقعہ میں
فریق مخالف کا سرگروہ عبد الاسود عجلی تھا اور بنو عجل کے درمیان کتنی آدمی مسلمان
تھے جو خود مختار ہی تھے جیسے عتیبۃ ابن نہاس۔ سعید بن مرہ۔ فرات بن حیان
مذعور بن عدی۔ مثنی بن لاحق۔ پھر تاریخ الخمیس فی احوال انفس النفیس جلد ثانی
صفحہ ۱۷۰ کو ملاحظہ فرمایا جاوے تو معلوم ہوگا کہ مسیلمہ کذاب کی قوم بنو حنیفہ (جن کے دار الاقامت
کو دارحرب حضرت صدیق اکبر کے خلافت میں مانا گیا تھا) میں بھی مسلمان موجود تھے۔
لکھا ہے۔ واتفق معہ بنو حنیفۃ الا انداذ من ذوی عقولھم یعنے مسیلمہ کے
ساتھ بنو حنیفہ متفق ہوگئے تھے مگر اُن کی داناؤں میں سے بعض لوگ نہیں ملے تھے
اسی کتاب کے صفحہ ۲۲۸ کے مطالعہ سے ثابت ہو جاتا ہے کہ بنو طی میں صرف جدیلہ
کے بدلنے پر بنو طی کے ملک کو دارحرب مان لیا گیا تھا۔

اہل یمامہ میں بھی مسلمان موجود تھے۔ جیسے ثمامہ اور عمیر۔ دیکھئے خمیس صفحہ ۲۴۲
بنو اسد بھی سارے کے سارے مرتد نہیں ہوئے تھے بلکہ اُن میں بعض مرتد اور بعض
مسلمان تھے (خمیس صفحہ ۲۲۸) مگر پھر بھی اُن کا وطن دارحرب ہی بنا۔ دیکھئے خمیس

الخمیس کے صفحہ ۲۶۹ پر حضرت خالد کا ایک حکم ان الفاظ سے لکھا ہے وامر عیون
ان یختبروا کل من مروا به عنه مواقیت الصلوۃ بالاذان لها فیکون ذلک ا
نا لهم و دلیلا علی اسلامهم - ترجمہ حضرت خالد نے اپنے جاسوسوں کو یہ حکم د
رکھا تھا کہ نماز کے وقتوں میں اذان کا خیال رکھا کریں جب قوم سے اذان کی آواز آ
یہ اذان اُنکے لئے امان ہوگی اور اُنکے اسلام کی دلیل -

اصل میں یہ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے جو صحاح ستہ میں مروی ہے
اور اس میں صریح اس بات کی دلیل ہے کہ جس ملک میں اذان اور صلوۃ ہوتی ہوا
وہ ملک مسلمان بادشاہ کے زیر تصرف نہو وہ اذان یا صلوۃ صرف اُن مسلمانوں کے
لئے دارالاسلام جیسے بادشاہ کے ہاتھ سے امان ہو سکتی ہے نہ کہ اُس تمام ملک کو دار
الاسلام بنا دیتی ہے - ورنہ تو پھر اس حکم کے نفاذ کرنے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ دارالا
میں عیون کا کیا کام - میری اس تمام تحریر کا لب لباب یہ ہے کہ دلائل مذکورہ
سے ہندوستان دارحرب ہے اور دار حرب کے اقسام میں سے دارالامن ہے جس
دارالسلم بھی کہہ سکتے ہیں - اس کے مسلمان باشندے چونکہ فرایض مذہبی میں آزاد
ہیں اس لئے ان کو اس ملک میں رہ کر اور رعیت کہلا کر گورنمنٹ سے یا دوسرے
غیر مسلموں سے خیانت - غدر - سرقہ - فساد - کرنا حرام ہے قرآن کریم اور احادیث
میں اس کی حرمت صریحاً موجود ہے - اور ان مسلمانوں کو اس ملک سے ہجرت بھی فرض
نہیں ہے - جیسا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے فتاوی سے پہلے لکھا گیا ہے
علامہ ابن حجر فتح الباری میں حدیث لاهجرة بعد الفتح کی شرح میں لکھتے ہیں - ثم
ان من یقدر علی الهجرة من دار الحرب ولا یمکنه اظهار دینه بها واداء
واجباته فالهجرة منها واجبة علیه ومن هو قادر ولکنه یمکنه اظهار دینه

وادا واجباته فستجته۔ صحیح بخاری کے صفحہ ۳۳۲ کے حاشیہ پر بھی یہ عبارت منقول ہے۔ خلاصہ ترجمہ جس دار حرب سے ہجرت کرنے پر آدمی قادر ہو اور وہاں فرائض مذہبی آزادی سے ادا نہ کر سکتا ہو تو وہاں سے ہجرت فرض ہے اور اگر آدمی کو دار حرب سے ہجرت کرنے پر قدرت تو ہے تو لیکن وہاں فرائض مذہبی ادا کر سکتا ہے تو ہجرت ضروری نہیں ہے صرف بہتر ہے۔

ارشاد الساری میں لکھا ہے کہ جس دار حرب میں اظہار دین ہو سکتا ہے وہاں عالم کا اس لئے رہنا بہتر ہے کہ غیر مسلموں کو بھی ہدایت کر سکتا ہے اور اسلام کے برکات کے اظہار کرنے پر قادر ہے۔ نسائی کی حدیث انا بری من مسلم مقیم بین المشرکین کی نسبت ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں وھذا محمول علی من لم یامن علی دینہ یعنے یہ اُس شخص کے حق میں ہے جو دین میں محفوظ نہیں ہے۔ الخمیس جلد ثانی صفحہ ۲۱۹ تفسیر مظہری صفحہ ۶۸۰۔ آیت ان الذین توفاھم الملئکۃ کی تفسیر میں بھی یہ مسئلہ موجود ہے۔

تنبیہ:۔ ان تمام دلائل کے علاوہ ناظرین کو یاد رہے کہ فقہ کی جن کتابوں میں یہ فقرہ لکھا ہے کہ دار حرب میں غیر مسلم سے مسلم کا سود لینا جائز ہے وہاں دار حرب کے لفظ سے اُن فقہا کی مراد وہی ملک ہے جس کا حکمران مسلمان نہ ہو اور میرا بھی یہی دعوے ہے کہ ایسے ملک میں سود لینے غیر مسلموں سے حرام نہیں ہے اور اسی کو میں قرآن و حدیث سے ثابت کروں گا اب اگر کوئی شخص ایسے ملک کو دار اسلام کہنے پر اصرار کرتا ہے تو کرتا رہے لفظی تنازعات سے ہمارا مطلب نہیں ہے وہ ملک اگر اس کے خیال میں دار الاسلام ہے تو پھر ہم یہ کہتے ہیں کہ ایسے دار الاسلام میں بھی فقہاء حنفیہ کے نزدیک مسلمان کو غیر مسلم سے سود لینا جائز ہے اور ایسے دار الاسلام

ـــ حدیث شریف کا منشا ہے ۱۲۔

ہی کو انہوں نے اپنی کتابوں میں دار حرب کے لفظ سے یاد کیا ہے اب یہ صرف ایک
لفظی نزاع رہا کہ وہ ایسے ملک کو دار حرب کے لفظ سے موسوم کر گئے ہیں اور اب یہ
ایک گروہ اُس کو دار الاسلام کے لفظ سے موسوم کرنا چاہتا ہے تو اس نام کی تبدیلی سے
حکم شرعی کی تبدیلی نہیں ہوگی۔ یاد رکھئے گا۔

غیر دار الاسلام میں مسلم و غیر مسلم کے فیما بین سود کا حرام نہ ہونا

اور

حضرات مقلدین مذہب حنفی کے ساتھ خطاب

جب ممالک محروسہ سرکار انگریزی کا دار الاسلام نہ ہونا ثابت ہو گیا تو اب مسئلہ کا یہ حصہ
کہ جو ملک دار الاسلام نہ ہو اُس جگہ مسلم و غیر مسلم کے فیما بین سود حرام نہیں ہے دو طرح
پر لکھا جاتا ہے۔

(اول) حضرات مقلدین مذہب حنفی کے تسلی خاطر کے لئے پس ان حضرات کے لئے
. . . . تو فقط یہی کافی ہے کہ اُن کو فقہ حنفی کی تمام ایسی کتابیں
جن میں معاملات کا حصہ ہی ہے دیکھ لینی چاہئیں۔ قدوری۔ کنز الدقائق۔
شرح وقایہ۔ ہدایہ۔ درمختار وغیرہ۔ الغرض فقہ کے تمام متون اور شروح اور فتاوی
کے باب الربو میں یہ مسئلہ موجود ہے۔ میں صرف نمونہ کے طور پر ہدایہ کی عبارت
نقل کر چھوڑتا ہوں۔ ولا ربوا بین المولی و عبدہ ولا بین المسلم والحربی فی دار الحرب
خلافا لابی یوسف والشافعی ولھما الاعتبار بالمستامن منھم فی دارنا ولنا قوله
علیه السلام لا ربو بین المسلم والحربی فی دار الحرب۔ ترجمہ مولی اور اُس کے غلام

...کے درمیان اور دارحرب میں مسلمان اور حربی (کافر) کے درمیان سود نہیں ہوتا امام
ابو یوسف اور امام شافعی علیہما الرحمۃ کا اختلاف ہے وہ قیاس کرتے ہیں اُس کافر پر جو
دارالاسلام میں مستامن ہو کر آگیا ہو اور ہمارے لئے یعنی حنفیوں کے لئے حضور علیہ
السلام کا ارشاد پاک کہ دارحرب میں کافر اور مسلمان کے درمیان سود نہیں ہوتا)
دلیل ہے۔ اس سے زیادہ دوسرے متون یا شروح فقہ کی عبارتیں نقل کرنا فضول
معلوم ہوتا ہے۔ طالب حق خود دیکھ سکتے ہیں۔ جب فقہ حنفی سے ثابت ہو گیا کہ
حنفیوں کے مقتدا سراج امت حضرت امام ابو حنیفہ کا یہی مذہب ہے پس مقلد
کا فرض ہے کہ وہ اوسکی اتباع کرے اصول فقہ کی معتبرات توضیح تلویح نورالانوار
مسلم الثبوت۔ وغیرہ میں لکھا ہے کہ مقلد کے لئے امور شرعیہ کی دلیل اُس کے امام
کا قول ہے۔ اور کتاب اللہ۔ سنۃ الرسول۔ اجماع۔ قیاس۔ مجتہد کے لئے ادلّہ ہیں
نہ مقلد کے لئے۔ حضرت علامہ تلویح میں فرماتے ہیں۔ ولیس للعامی الاخذ بظوا
هر الاثار وانما التمسك بها للفقهاء۔ ترجمہ مقلد کا حق نہیں ہے کہ وہ ظاہر احادیث
سے استنباط کرے بلکہ احادیث کے ساتھ دلیل پکڑنا مجتہدوں کے ساتھ مخصوص
ہے۔ اصول فقہ کی اصطلاح میں عامی کا لفظ مقلد کے لئے آتا ہے خواہ عالم ہی ہو
اور فقیہ کا لفظ مجتہد کا معنی رکھتا ہے۔ مسلم الثبوت میں ہے اما المقلد فمستنده
قول مجتهده۔ ترجمہ بہر حال مقلد کی سند تو اُس کے امام المذہب ہی کا قول ہوتا
ہے بعض نام کے مقلد جو محدث ہونے کا دعوےٰ رکھتے ہیں وہ اگر دلائل اجتہادی
سننے کی ہوس رکھیں تو اس مسئلہ کے دوسرے پہلو کو جس کا مخاطبہ غیر مقلدین
سے ہے مطالعہ فرمالیں۔

غیر مقلدین کو خطاب اور کتاب اللہ

اور سنۃ الرسول سے استدلال

واضح ہو کہ کتاب اللہ بلا شرط و بلا قید حجت شرعی ہے اور اُس کی ہر ایک
اور ہر ایک فقرہ قطعی الثبوت ہے اور اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ احادیث
صلے اللہ علیہ وسلم اگر وہ احادیث ثابت ہو جاویں اور اُن میں وضع اور ضعف کا
یا شبہ نہ پڑ جاوے تو اسی طرح کتاب اللہ کے مساوی حجت شرعی ہیں۔ اور اگر احا
ہونا ثابت نہ ہووے تو اُن پر عمل نہیں کیا جاویگا اس جہت سے کہ وہ احادیث
نہیں ہیں۔ کتاب اللہ یا سنۃ الرسول کے الفاظ بعض وقت اپنے معانی ادا کر
میں صریح ہوتے ہیں اور مابہ المقصود کی تلاش میں کسی دوسری تشریح یا دلیل کی
نہیں پڑتی تو اُس وقت ایسے الفاظ سے جو معانی مفہوم ہوتے ہیں مراد ہو
اور کسی تاویل سے ان معانی سے انحراف نہیں کیا جاوے گا۔ مثالیں ملا
فرمائیں۔ فَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ۔ اس آیت کے تمام الفاظ اپنے معانی ادا کرنے
میں صریح ہیں ترجمہ جھوٹی بات سے بچو۔ یہاں اس آیت کے معنی سمجھنے میں
تاویل کی ضرورت ہے نہ تشریح کی۔ اور بعض وقت قرآن یا احادیث کے الفا
معنی مراد بیان کرنے اور ادا کرنے میں صریح نہیں ہوتے عرب کی بول چال میں
لفظ کا معنے لیا جاتا ہے اوس معنے کا وہاں مراد ہونا قطعاً اور یقیناً ناممکن ہوتا
ناجائز ہوتا ہے بلکہ کوئی اور معنے مراد ہوتا ہے جس کی تشریح میں کسی دوسری
یا حدیث کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوتا ہے بس یا تو ایسے الفاظ کے معانی
دوسری آیات یا احادیث سے پوری تشفی اور تسلی کے ساتھ واضح ہو جاتے ہیں

ی آیات اور احادیث سے بھی پوری تسلی اور تشفی کے ساتھ واضح نہیں ہوتے اگر وہ
ی تسلی اور تشفی کے ساتھ واضح ہو جاویں تو بالیقین وہی معانے مراد ہوں گے
سی صورت میں بھی ان معانی کو چھوڑ کر کسی دوسرے معانے کی طرف رجوع
ں ہوگا اس کی مثال صوم وصلوۃ کی آیت ہے اور ایسی ہی زکوۃ کی۔ قرآن
یم میں اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ آیا ہے لفظ صلوۃ کا معنے عرب کی بول چال میں دعا ہے جو
ث اس آیت میں قطعًا مراد نہیں ہے۔ اس لئے دوسری آیات یا احادیث سے اس
کا تشریح دیکھی جاویگی اور تسلی کے ساتھ ثابت ہو جاوے گا کہ صلوۃ سے مراد نماز
جگانہ بہیئت مخصوص ہے ایسا ہی آیت کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ میں لفظ صیام
یث صوم معنی مراد کو پوری تشریح کے ساتھ بیان نہیں کرتا کیونکہ لفظ صوم عرب کے
دا کی اورہ میں بند رہنے کو کہتے تھے نہ یہ معلوم کہ کس کس چیز سے بندش مراد ہے اور نہ
کہ مفہوم کہ کس وقت سے کس وقت تک نیت سے یا بلا نیت۔ اسی لئے اس کی
تشریح دوسری آیات اور احادیث سے ضروری ہوئی بلکہ احادیث کے بغیر نہ صلوۃ
کی تشریح ہوئی نہ صوم کی ایسا ہی لفظ زکوۃ کا حال ہے۔ اور اگر ایسے الفاظ کے معانی
نفس لفظ سے بھی پوری تشریح کے ساتھ نہیں کھلتے اور دوسری آیات اور احادیث
سے بھی تشفی اور تسلی کے ساتھ معنی مراد کی تحقیقات نہیں ہوتی بلکہ شبہ باقی رہ جاتا
ہے تو ایسی جگہ میں ہر ایک مجتہد اس معنے کو مراد رکھے گا جو اس کی تحقیقات میں
اقرب الی الصواب نظر آتا ہے۔ اور ہر ایک معنے جو ایسے الفاظ سے مجتہدوں نے
اختلاف آثار سے سمجھا ہے قطعی نہ ہوگا بلکہ ظنی ہوگا اور اگر کوئی حدیث جو مشہور یا متواتر
بھی نہ ہو بلکہ خبر واحد ہو اس معنی سے کچھ مستثنیات نکالنا چاہے تو بے شبہ نکال سکتی ہے
قرآن کریم میں ربو (سود) کی تحریم کی آیت اسی قسم سے ہے آیت کریمہ
اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ

الْمَسِّ - ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّ
الرِّبٰوا - ترجمہ وہ لوگ جو ربو کھاتے ہیں ایسے ہی اوٹھیں گے جیسے کہ شیطان نے
چھوا ہوا (مصروع) کیونکہ وہ بیع کو ربو کی طرح خیال کرتے ہیں اور خداوند جل عزنا
نے بیع کو حلال اور ربو کو حرام قرار دیا ہے - یہ تو قطعی فیصلہ ہوگیا کہ وہ معاملہ جس کا
نام قرآن کریم کی نظم میں ربو رکھا گیا ہے قطعاً حرام ہے اور اس کا استحلال صریح کفر
ہے باقی رہی یہ بات کہ ربو سے کیا مراد ہے اور کون سے معاملہ کو قرآن کی نظم نے ق
ربو کے لفظ سے معنون کیا ہے ایسا مشکل اور اس درجہ کا مجمل ہے کہ حضرت
عمر فاروق رضی اللہ تعالے عنہ جیسے متبحر اور ہمہ دان خلیفہ کو اس کی بابت کہنا پڑا کہ
خرج النبی من الدنیا ولم یبین لنا ابواب الربو - ترجمہ حضور علیہ السلام کا انتقال
اور سود کے ابواب ہم کو بیان نہ فرما گئے - حضرت عمر کا یہ فقرہ انہی الفاظ سے تلویح
صفحہ ۱۸۰ اور نور الانوار صفحہ ۹۲ - پر منقول ہے ابن ماجہ اور دارمی نے حضرت
عمر فاروق سے یہ الفاظ روایت کئے ہیں ان آخر ما نزلت آیۃ الربو وان رسول
اللہ قبض ولم یفسرھا لنا فدعوا الربوا والریبۃ مشکوٰۃ صفحہ ۲۴۶ -

حنفیوں کے امام حضرت نعمان بن ثابت کے نزدیک ربو کی آیت ایسی مخ
مجمل ہے کہ جس کا معنے احادیث سے بھی پوری تشفی کے ساتھ نہیں کھلا دیکھو اع
تلویح صفحہ ۱۸۰ نور الانوار صفحہ ۹۲ -

حضرت امام شافعی علیہ الرحمتہ کے نزدیک یہ آیت اس درجہ کی مجمل ہے کہ قابل
الاستدلال نہیں ہے یعنی ربو کے کسی خاص معنی کی حرمت پر اس کے ساتھ استدلال
نہیں ہو سکتا - امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں اس رائے کو پسند فرما کر آیت
کا غیر قابل الاستدلال ہونا وجوہ ذیل سے ثابت کرتے ہیں (۱) حرم الربوا میں لفظ

الربو مفرد معرف باللام ہے جو عام نہیں ہو سکتا پھر بشرط عدم عموم تعیین مراد مشکل

حرمتی) اگر عام مان لیا جاوے تو تضعیف العموم ہے اور بہت سی تخصیصات سے
طارہس ہے کیونکہ ربو کے معنے مطلق زیاتی ہے اور مطلق زیاتی کا حرام نہ ہونا اجماعی
عنائی ہے (۳) حضرت امیر عمر رضہ فرماتے ہیں خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ
عیرمن الدنیا وما سالناہ عن الربوا (حضرت حضور علیہ السلام انتقال فرما گئے
میرکم نے اُن سے ربو کا معنے نہ پوچھا) اگر لفظ ربو مطلق زیادتی میں عام ہوتا تو خلیفہ
ق اعظم کو پوچھنے کی کیا ضرورت تھی (۴) احل اللہ البیع تمام قسم کی بیعوں
زہے اور حرم الربوا ہر ایک قسم کی بیع کا محرّم ہے کیوں کہ ربو کے معنے ہیں
نا پڑی کے جو ہر ایک بیع میں موجود ہوتی ہے بس حرمت وحلت میں آیت کے
ان فقرے متعارض ہیں اذا تعارضا تساقطا۔ ملاحظہ ہو تفسیر کبیر صفحہ ۳۶۱ -
تلوی ثناء اللہ بانی بتی علیہ الرحمہ اگرچہ آیۃ الربو کو مجمل نہیں مانتے لیکن یہ مانتے ہیں کہ
ضرورت ہیں اشکال* ہے اور تفسیر مظہری کے صفحہ ۳۰۶ پہ تحریر فرماتے ہیں کہ جمہور علماء
رسول آیت الربو کو مجمل قرار دیتے ہیں کیونکہ تجارت کے طور پر زیادت کا طالب ہونا
حرام نہیں لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم اس کا گواہ ہے پس
ایسی مخصوص زیاتی حرام ہوگی جس کی تشریح وتفسیر بجز شارع کے کوئی نہیں کر سکتا حضرت
یکم اعظم علیہ الرحمہ اور حضرت امام شافعی اور جمہور علماء امت محمدیہ علیہم الرضوان
نزدیک آیت الربو کا مجمل ہونا اس لئے ثابت نہیں کیا گیا کہ فرقہ غیر مقلدین بھی
قابل بزرگان ملت کی تقلید کرکے آیت الربو کو مجمل مان لیں بلکہ اس لئے کہ ان
ضرات (غیر مقلدین) کو یہ تمام ماجرا سوچ کر صرف اس قدر غور کرلینی چاہیئے کہ
اگر آیت الربو مفسر اور مفصل ہوتی تو اکابرین ملت اور فاضلان مذہب کو اس کے
لفظ سمجھنے میں کیوں دقت ہوتی اور پھر کیوں اس کے مجمل بنانے کی سعی کرتے۔ قرآن کریم

* ملاحظہ ہو مظہری صفحہ ۳۰۸

میں ایک اور آیت بھی ہے جس میں لفظ ربو مذکور ہے اور وہاں ائمہ مفسرین
اور تابعین علیہم الرحمہ الی یوم الدین لفظ ربو سے وہ ہدیہ مراد رکھتے ہیں جو
عوض لینے کی نیت پر دیا گیا ہو خواہ عوض اور معوض جنس واحد ہی سے کیوں
ہوں پھر اس کو ربو حلال سے تعبیر کرتے ہیں اور حضور علیہ السلام قول
سے اس کی تصدیق فرماتے ہیں جیسا کہ ایک اعرابی نے آپ کو ایک اونٹ
طور ہدیہ دیا اور آپ نے اُس کو چھ اونٹ اُس کے عوض مرحمت فرمائے سالغر
ہدیہ بہ نیت زیادت بھی قرآن کریم میں ربو کے نام سے یاد کیا گیا ہے اور ائمہ
نے بالاتفاق اس کو ربو حلال فرمایا ہے۔ کشاف بیضاوی۔ کبیر۔
روح البیان۔ وغیرہ کو بطور گواہ پیش کرتا ہوں آیت شریفہ یہ ہے۔ وَمَآ اٰ
مِنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ پھر آیت وحرم الربو
معنی لغوی میں نص ہوتی اور اس میں کسی تاویل یا تفسیر یا بیان کی ضرورت
ہوتی تو پھر یہ ربو جو ہدیہ مستغرز سے مراد ہے کیسی حلال ہوتی جو بالاتفاق
حلال ہے۔

جب یہ یقیناً ثابت ہو گیا کہ ربو لغوی معنی سے حرام نہیں ہے اور
بھی ثابت ہو گیا کہ ربو ایک شرعی معنی سے بھی حرام نہیں ہے (ہدیہ مستغرز
شرعی معنی ہے) تو اب ہمیں یہ ضرورت واقعہ ہوئی کہ ہم ربو کا وہ معنی شرعی
کریں جو حرام ہے اور جو قرآن مجید میں آیت وحرم الربو میں مراد ہے۔ ا
دریافت کے لئے ہم قرآن کریم کی دوسری آیات کی طرف رجوع کرتے ہیں
پھر احادیث کی طرف قرآن کریم کی بعض دوسری آیات سے ربو کے معنی
تشریح ہو جاتی ہے اور یہ تشریح جو قرآن کریم سے ہوتی ہے اس تشریح کی نسبت
جو احادیث سے ہوتی ہے قطعی اور یقینی ہے چونکہ مسئلہ الربو کی اکثر تشریحات احام

تی ہیں، اس لئے پہلے میں اُن [illegible]ریحات کو ذکر کرتا ہوں جو احادیث سے مستفاد
حضرت عبداللہ بن عباس قرآن کریم کے مفسر فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں جو
رام قرار دیا گیا ہے وہ ربٰو ہے جو عرب میں جاہلیت کے زمانہ میں زیادہ مروج
ردہ یہ تھا کہ ایک شخص کچھ روپیہ بطور قرضہ دے کر یہ اقرار کرتا تھا کہ یہ روپیہ بطور
فلاں تاریخ تک تیرے پاس رہے گا ہر ماہ کے اختتام پر اتنا روپیہ علاوہ بطور
یں تجھ سے لیتا رہوں گا اصل روپیہ بدستور باقی رہیگا۔ پھر جب وہ اجل (تاریخ
ں قرضہ) آ جاوے تو اگر مقروض قرضہ ادا کردے تو خیر ورنہ مقررہ تاریخ
پیہ کو بھی بڑھا دیتے تھے ربوا جاہلیت کی یہ تعریف تفسیر کبیر صفحہ ۳۵۷ میں مندرج
ابن عباس فرماتے ہیں پس یہی ربو ہے جو حرام ہے اور اگر کوئی شخص دست
ت یہ معاملہ کرے کہ دس روپیہ دے کر بیس وصول کرے تو یہ ربو حرام نہیں ہے
ن کا استدلال اس دعوے پر اُس حدیث سے ہی ہے جس کو شخین نے اسامہ
بن زید سے بدین الفاظ روایت کیا ہے۔ قال رسول اللہ صلعم الربوا فی
یئة وفی روایة قال لا ربو فیما کان یدا بید۔ ترجمہ ربوا ادھار ہی میں ہے
یک روایت میں ہے کہ دست بدست معاملہ میں ربو نہیں ہے۔ حضرت
عباس سے یہ بھی منقول ہے کہ انہوں نے یہ دعوے چھوڑ دیا تھا لیکن اس حدیث
والی حدیث) کے الفاظ پر نظر غائر ڈالنے سے یہ نقل واہی معلوم ہوتی ہے
ل یہ ثابت ہے کہ ایک جلیل القدر صحابی کی رائے پر استدلال [illegible]
ت بدست کے معاملہ میں ربو حرام نہیں ہے اس کو آیت ربو کا پہلا مستفاد
حضرت عمر فاروق۔ عبادہ بن صامت وغیرہ صحابہ رضوان اللہ علیہم نے
ت حضور علیہ السلام سے ایک حدیث بالفاظ مختلفہ روایت کی ہے جو صحاح ستہ
ت احام کتابوں میں لکھی ہوئی ہے اور عمر بن رضوان اللہ علیہما جمعین کو بھی پہونچی

ہے اُس کا مضمون یہ ہے سونا سونے کے مقابلے اور چاندی چاندی کے مقابلے
گندم گندم کے مقابلے جو جو کے مقابلے۔ خرما خرما کے بدلے نمک نمک کے
مساوی المقدار اور دست بدست فروخت کرو اور اگر ایک جنس کی چیز دوسری
کی چیز سے فروخت کرو تو جس طرح تمہارا جی چاہے فروخت کرو مگر دست بدست
اس حدیث شریف کے مضمون سے بعض فضلائے اسلام نے تو یہ سمجھا ہے کہ
یہی چھ چیزیں ہیں۔ جن میں سود حرام ہے اس کے بغیر تمام چیزوں میں حلال
اُنکے نزدیک باجرہ چاول کنگنی جوار وغیرہ ہر قسم کے غلہ میں سود حلال ہے۔
اور جانوروں کپڑوں میووں وغیرہ تمام چیزوں میں بھی ایسا ہی حال ہے تمام
الظواہر* کا یہی مذہب ہے اور حنابلہ سے ابن عقیل کا بھی یہی قول ہے۔ قتادہ
طاؤس سے بھی یہی مروی ہے اس فرقہ کے دلائل کچھ بطور نمونہ علامہ فخر رازی
تفسیر کبیر میں نقل کئے ہیں۔ اور یہ آیت الربو کا دوسرا استثنے ہے۔ جمہور علماء
قیاس کو بھی حجت شرعی جانتے ہیں۔ اُن کے نزدیک ان چھ چیزوں کا ذکر
میں بطور انحصار نہیں ہے۔ بلکہ بطور تعلیل ہے ان چھ چیزوں میں جو علت
دست کی ہے، وہ علت جس چیز میں پائی گئی اُس میں بھی ربو حرام ہے۔ اب
میں اس علت حرمت کی تشخیص میں سخت اختلاف ہے مجتہدوں کے سرگروہ حنفی
کے نزدیک تو ان چھ چیزوں میں حرمت ربو کی علت اتحاد جنس اور کیل وموزون
ہے۔ جو چیز کیلی یا وزنی ہو گی اگر وہ اپنی ہم جنس کے ساتھ مبادلہ کی جاوے تو
میں بڑھوتری حرام ہے۔ اور جو چیز ماپ اور تول سے حساب نہیں کی جاتی اُس
دست بدست بڑھوتری متحد الجنس میں بھی حرام نہیں ہے۔ تو پھر اُن کے نزدیک
جو چیز گنتی سے حساب ہو کر بکتی ہے جیسے انڈے اکھروٹ ان میں ربو نہیں

* چونکہ غیر مقلد بھی اصحاب الظواہر ہیں اس لئے ان کا مذہب بھی یہی ہونا چاہیے۔

ایسا ہی گیہوں کی ایک مٹھی اُس کی دو مٹھی سے فروخت کرنا داخل ربو نہیں ہے۔
کیونکہ اس تھوڑے مقدار سے غلہ کو ماپا نہیں جاتا۔ ایسا ہی تمام قسم کے کپڑے
جو گزوں سے حساب ہو کر فروخت ہوتے ہیں باہمی مبادلہ میں ربو کے اندر داخل
نہیں ہیں۔ علی ہذالقیاس اس صورت میں آیت الربو سے کئی ایک مستثنیات ثابت
ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر دس روپیہ دے کر نو روپیہ نقد اور چار روپیہ کے پیسے لے لے یا
کوئی اور جنس لیلے جس کی قیمت چار روپیہ ہے یا ہزار روپیہ ہے تو یہ ربو نہیں ہے
ایسا ہی اگر ایک من جو دے کر دس سیر جو اور ہزار من گندم لیلے تو بھی ربو نہیں ہے
دس روپیہ نقد دے کر ہزار روپیہ کا نوٹ لے لے اور نوٹ کی تعیین کرلے تو کوئی ربو
نہیں ہے۔ وغیرہ وغیرہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک ربو کی علت ہے چیز
کا از قسم مطعومات ہونا اور یا سکہ رائج الوقت ہونا پس آپ کے نزدیک لوہا۔ تانبا۔ تیلا
چونا وغیرہ تمام ایسی چیزوں میں جو نہ قسم سکہ ہیں اور نہ کھانے پینے کی ہیں ربو کا حکم
نہیں ہے۔ ایک سیر لوہا دے کر ہزار من لوہا لے لینا جائز اور حلال ہے۔

امام مالک صاحب علیہ الرحمہ کے مذہب میں چاندی اور سونا ہونا یا آدمی
کی مابہ المعیشت (کھانے پینے کی چیز ہو کر ذخیرہ رکھنے کے قابل ہونا) ربو کی حرمت
کی علت ہے پس خربوزوں اور ترکاریوں اور کپڑوں ریشم وغیرہ میں ربو حرام
نہیں ہے ایسی ہی ہزار مستثنیات ہیں۔ علےٰ ہذا القیاس نقدین کے بغیر دوسری
چیزوں کی علت الربو کی تشخیص میں جملہ دس مذہب ہیں جنکو علامہ عینی نے صحیح
بخاری کی شرح میں لکھا ہے مولی اور اُس کے غلام کے فیما بین سود کا معاملہ
بالاتفاق حرام نہیں ہے۔

بیع کے ضمن میں ایسی شروط جو بیع کی ذات کے تقاضے میں داخل نہیں ہیں
اور وہ متعاقدین میں سے ایک کو مفید ہیں آیت الربو کے حکم سے ایسی بیع کرنا ناجائز

ٹھہراتے ہیں۔ امام اعظم اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے مگر امام احمد بن حنبل اور ابن شبرمہ بالکل اور امام مالک بشرط بائع کے حق میں تھوڑی سی مفید ہونے کی ان شروط کو بعض حدیثوں کے ذریعہ آیت الربو کے حکم سے مستثنے کرتے ہیں۔ ان حدیثوں میں سے ایک حدیث وہ ہے جس کو شیخین حضرت جابر سے بدین مضمون روایت کرتے ہیں کہ اوس نے بعض غزوات میں حضور علیہ السلام پر ایک اونٹ فروخت کیا تھا اور شرط کرلی تھی کہ وہ (جابر) مدینہ تک اونٹ پر سواری کرنیکا مستحق ہوگا۔ نیز مدیون کا قرضخواہ کو اصل قرضہ سے زاید دینا آیت الربو سے بلا قید حرام معلوم ہوتا ہے مگر حضور علیہ السلام نے جابر رضہ کے قرضہ ادا کرتے وقت جابر کو اصل رقم سے زیادہ دیا تھا جیساکہ بخاری صفحہ ۶۳ پر جابر کی حدیث میں موجود ہے۔ پس بحکم اس حدیث کے آیت الربو زیادت مشروط کے ساتھ مخصوص کی جائیگی۔ باپ اور بیٹے مرد اور اُس کے اہل مولے اور اُس کے غلام کے فیمابین شیعہ امامیہ کے نزدیک ربو حرام نہیں ہے۔ جیساکہ فروع کافی جلد دوم کے صفحہ ۴۶ پر امیر المومنین علی علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے مندرجہ بالا اختلافات اور مستثنیات دیکھنے سے ثابت ہوگیا ہے کہ ائمہ اسلام نے ربو کی حرمت سے قیاس کے ذریعہ چند ایک اشیا کو مستثنے فرمایا ہے جس کا یہ قطعی نتیجہ ہے کہ آیت الربو قیاس کے ساتھ بھی مخصوص ہوسکتی ہے۔ یاد رکھیگا

میرے اس دعوے (دار حرب میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے فیمابین سود حرام نہیں ہے) پر میرے لئے قرآن۔ حدیث۔ قیاس شہادت دینے کے لئے موجود ہیں۔ اور علے الترتیب میں اُن کو پیش کرتا ہوں۔

قرآن کریم سے پہلا استشہاد

وحدہ لاشریک لہ کا پاک ارشاد ہے۔ یاایہا الذین امنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم

بالباطل - ترجمہ اے ایمان والو اپنے مال ایسی حالت میں سود قمار وغیرہ وجوہ
نامشروعہ سے نہ کھاؤ کہ تمہارا معاملہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ہے - اس
آیت کی نظم میں لفظ بینکم صرف اسی لحاظ سے بڑھایا گیا ہے کہ سود - قمار اور عقود
فاسدہ کی حرمت صرف اُس وقت میں ہے جب مسلمان دوسرے مسلمان سے معاملہ
کررہا ہو - چونکہ دارالاسلام میں غیر مسلم بھی حسب قوانین شریعت مسلمان ہی کی طرح
مال وجان میں محفوظ اور مامون ہوتا ہے اور حضور علیہ السلام کا اُس کی نسبت پاک
ارشاد ہے کہ معاہد (غیر مسلم جو مسلمان بادشاہ کی رعیت ہے) کا مال اور اس کی جان
کا نقصان کرنے والا میری اور خدا کی حریم میں دست اندازی کرنے والا ہے تو حکم
دماؤھم کدمائنا واموالھم کاموالنا - وہ بھی مسلمان ہی کی طرح متصور ہو کر
اس حکم میں شامل ہے پس دارالاسلام میں بلا قید سود - قمار وغیرہ بیوع فاسدہ حرام ہیں
باقی غیر دارالاسلام میں جبکہ معاملہ سود یا قمار مسلمان اور ہندو یا عیسائی کے درمیان
ہے تو بسبب مفقود ہونے قید بینکم کے حرمت ثابت نہ ہوگی -

جو لوگ محاورہ کے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ جب نفی ایک کلام مقید پر
داخل ہوتی ہے تو وہ قید کی نفی کرتی ہے کیا معنے مقید جب تک قید کے ہمراہ ہے
منفی ہے جب قید سے الگ ہوگیا تو نفی کے عمل سے خارج ہو جائے گا - اور یہ قاعدہ
عربی - فارسی - ہندی میں بلا تفریق جاری ہے - عربی محاورہ میں قرآن کریم ہی
سے سند لیجئے آیت وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَاَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ترجمہ تم
ایسی حالت میں عورتوں سے جماع نہ کرو کہ تم مسجدوں میں اعتکاف بیٹھے ہو فقرہ
وَاَنْتُمْ عَاكِفُونَ بھی ترکیب کے لحاظ سے اس آیت میں حال ہے اور فقرہ بَيْنَكُمْ
آیت استشہاد میں بھی حال تھا - خیال فرمالیجئے کہ اگر حال کی قید موجب تخصیص
بمضمون حال نہیں ہے تو پھر منکوحات سے جماع کرنا مطلقاً حرام ٹھہرا - اور یہ بری

ایسی آیات سے معارض ہوا جن میں منکوحات سے جماع حلال ہے - اور اگر حال کی قید تخصیص کی موجب ہے تو پھر لفظ بینکم میں بھی تخصیص مان لیجیئے - اور سود قمار وغیرہ کو مسلم وغیرہ مسلم میں حرام نہ فرمائیے -

اور دیکھئے آیت لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکَارٰی - ترجمہ ایسی حالت میں نماز نہ پڑھو کہ تم بدمست ہو - فقرہ وانتم سکاری بھی بینکم کی طرح حال ہے اگر حسب قاعدہ مندرجہ بالا نفی کا حکم صرف قید کی حالت سے مخصوص نہ ہوتا تو پھر ہر حالت میں نماز پڑھنا گناہ ٹھہرتا - امید ہے کہ اہل انصاف کی تسلی اور یقین کے لئے یہ دونوں آیتیں محاورہ سمجھانے میں کفایت کریں گی - اس امر کا ثبوت کہ آیت استشہاد (لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ) میں لفظ بینکم ترکیب میں حال ہے جیساکہ وانتم عاکفون اور وانتم سکاری ہے نیز یہ کہ لفظ باطل سود - قمار وغیرہ بیوع فاسدہ کو شامل ہے عربی نحو اور ادب پڑھنے پھر تفاسیر دیکھنے سے ہو سکتا ہے - یہ کہ آیت استشہاد میں لفظ بینکم سے حرمت ربو صرف دار الاسلام ہی میں مخصوص ہو جاتی ہے اگرچہ مجھے الٰہی عنایت سے بغیر توسط القا کیا گیا تھا لیکن الحمد للہ کہ بعد میں مجھے قاضی ثناء اللہ صاحب کی تفسیر مظہری دیکھنے سے ثابت ہو گیا ہے کہ میرا یہ القا بطریق توارد ائمہ کرام کے مبارک فہم سے مطابق ہے والحمد للہ علی ذالک - قاضی صاحب مرحوم تفسیر مظہری کے صفحہ ۵۸۲ پر اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں - یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ یعنے لا یاکل احد منکم مال غیرہ بین المسلمین ومن بتعہم من اھل الذمۃ ولا باس باکل مال الحربی الغیر المعاھد من غیر غدر بِالْبَاطِلِ - ای بوجہ ممنوع شرعًا کالغصب والسرقۃ والخیانۃ والقمار والربو والعقود الفاسدۃ - نفس آیت کے بغیر تفسیر کی عبارت کا ترجمہ یہ

لفظ بینکر کہتا ہے کہ ایک مس[...]ن یا معاہد کا مال وجوہ ممنوعہ جیسے غصب قہ
نت قمار سود وغیرہ بیوع باطلہ [...] نہ کھاوے اور غیر مسلم اور غیر معاہد (جو مسلمان
شاہ کی رعیت نہ ہوا) کا مال غدر کے بغیر وہ ہی تمام وجوہ (سود قمار) سے کھانا جائز
ہے۔ تفسیر مظہری کی اس عبارت سے یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ دار حرب یا غیر دار الاسلام
سے وہی ملک مراد ہے جس کا بادشاہ مسلمان نہیں ہے۔ کیونکہ مصنف علامہ اپنی
اس عبارت میں حربی غیر معاہد کے لفظ سے وہ غیر مسلم شخص مراد رکھتا ہے جو مسلمان
بادشاہ سے رعیت ہونے کا عہد نہیں کر چکا گیا معنے کہ وہ غیر دار الاسلام کا باشندہ
ہے پھر ثابت ہوا کہ فقہ حنفی میں اسی مسئلہ میں جو لفظ دار الحرب ہے اسی کے دار
الاقامت سے مراد ہے جس کا معنے یہ نکلا کہ وہ ملک مسلمان بادشاہ کے زیر حکم
نہیں ہے۔

قرآن کریم سے دوسرا استشہاد

یہ استشہاد چند قواعد شرعیہ کے تمہید کا متقاضی ہے (قاعدہ اولی) تورات مقدس
یا دوسری کتب سماویہ میں جو الٰہی حکم مندرج ہو اور قرآن کریم یا کہ حدیث شریف سے
وہ منسوخ نہ کر دیا گیا ہو اُمت محمدیہ (علے ہا وبہا التحیات والصلوات) پر واجب التعمیل
ہوتا ہے۔ کتاب اللہ میں ارشاد ہے اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ
يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ

مسلم الثبوت کے صفحہ ۲۰۹ پر اس مسئلہ کو بالوضاحت بیان کیا گیا ہے اور
علامہ تفتازانی نے تلویح میں اس کو بالاستدلال بیان فرمایا ہے (قاعدہ ثانیہ)
تورات میں سود کو حرام قرار دیا گیا تھا کتاب اللہ سورہ نسا پارہ ۶ میں موجود ہے وَ
اَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ۔ ترجمہ یہودیوں کی گنہگاری بہ سبب سود خواری

کے بھی تھی جسے وہ منع کردیئے گئے تھے (قاعدہ ثالثہ) چونکہ تورات میں سود کی حرمت آ رچکی تھی اور شریعت محمدیہ میں یہ حکم منسوخ نہیں کیا گیا تھا۔ لہٰذا حضور علیہ السلام نے آیات الربوٰ کے نزول سے پہلے ہی سود کی حرمت بذریعہ وحی غیر متلو (احادیث) کے بیان فرمادی تھی یعنی ابتدا بعثت سے بیاج کو حرام فرمادیا گیا تھا۔ صحیح بخاری کے شراح نے اس مسئلہ کو بسط تام سے لکھا ہے امام بخاری علیہ الرحمۃ کتاب التفسیر میں صفحہ ۶۵۲ پر ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام پر تمام آیات سے مابعد ربوٰ کی آیت نازل ہوئی ہے اور یہی روایت حضرات مفسرین نے بھی اپنی اپنی تفاسیر میں نقل کی ہے قسطلانی نے ابن جبیر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ربوٰ کی آیات کے نزول کے مابعد صرف نو دن زندہ رہے ہیں۔ اسی جگہ کے حاشیہ صحیح بخاری پر ارشاد الساری سے منقول ہے:

وبنہ فی الفتح علی ان الاخرّیۃ فی الربو تاخر نزول الآیات المتعلقۃ من سورۃ البقرۃ واما حکم تحریمہ فسابق علی ذلک بمدۃ طویلۃ خلاف

ترجمہ شیخ ابن حجر فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں کہ بیاج کے باب میں تاخیر ہوئی ہے وہ صرف آیات کے نزول میں ہوئی ہے ورنہ بیاج کی حرمت آیات کے نزول سے بہت مدت پہلے ثابت ہوچکی تھی۔

(قاعدہ رابعہ) باوجود سود کے صریح حرمت کے مکہ معظمہ کے دار الاسلام نہ بن جانے تک صحابہ میں سے حضرت عباس حضور علیہ السلام کے چچے حضرت عثمان آپ کے داماد حضرت خالد بن ولید آپ کے سیف افسر غیر مسلموں سے جو غیر دار الاسلام میں رہتے تھے سود کا لین دین کرتے رہے۔ جب وہ غیر مسلم جن سے یہ صحابہ سود لیا کرتے تھے مسلمان ہوگئے یا معاہد ہوگئے تھے تو فی الفور آیات قرآنی مشعر بر حرمت سود نازل ہوگئیں اور یہ پاک فیصلہ اترا کہ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ۔ اگر تم

لہٰذا حا... من ہو تو باقی ماندہ بیاج چھوڑ دو آیت کے الفاظ کا صریح منطوق ہے کہ اس
طرح غیر ... ت کے مخاطب مومن ہی تھے جو پہلے بیاج لیتے بھی رہے تھے اب اُن کو حکم
دیا گیا ... ہے کہ باقی ماندہ بیاج نہ لو اس آیت میں لفظ مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا پر زیادہ غور
... چاہیے۔ کیا اس کا یہ صریح مفہوم نہیں ہے کہ بیاج کا جو حصہ لینے لیتے رہ گیا ہے
... چھوڑ دو اس بات کا ثبوت کہ صحابہ میں سے حضرت عباس۔ خالد بن ولید۔
... حضرت عثمان۔ آیات الربو میں سے آیت وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مومنین
... نزول تک سود کا معاملہ کرتے تھے حضرت عطا اور حضرت عکرمہ پھر سدی کے
... ال سے ہوتا ہے جن کو علامہ بغوی نے معالم التنزیل میں آیت متذکرہ بالا کی تفسیر
... میں روایت کیا ہے۔ اور اسی طرح اس روایت کو فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر میں
... منی ثناء اللہ نے تفسیر مظہری میں بھی لیا ہے۔

اور یہ بات تو امام بخاری نے فیصلہ کر دی ہے کہ یہ آیات (سود کی حرمت کی)
... م قرآن سے مابعد نازل ہوئی ہیں یہاں تک کہا گیا ہے کہ ان کے نزول کے
بعد حضور علیہ السلام صرف نو دن زندہ رہے ہیں یا کچھ ساعتیں۔ علی قاری مرقات
... میں لکھتے ہیں کہ حضور علیہ السلام آیت الربو کے نزول کے مابعد تھوڑی مدت
زندہ رہے۔ تو تمام مقدمات متذکرہ صدر کے ملانے سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ بوجہ
سود کی تنصیصی حرمت کے جو بذریعہ تورات اور احادیث کے واضح ہو چکی تھی بعض
صحابہ حضور علیہ السلام کی وفات سے نو دن پہلے تک یا مکہ مکرمہ کے دارالاسلام ہو جانے
... الغرض اُس وقت تک جو آیت الربو کے نزول کا وقت قرار پاوے۔ غیر معاہد کفار
سے سود کا معاملہ کرتے رہے اور فریق ثانی کے معاہد یا مسلمان ہو جانے پر بذریعہ
نص قرآنی ممنوع کر دیئے گئے۔

تفسیر مظہری کے صفحہ ۳۱۴ پر ابو یعلی اور ابن مندہ کے حوالہ سے ایک روایت

حضرت ابن عباس سے نقل ہوئی ہے جس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ربو کی
کچھہ جزیات تو فتح مکہ سے پہلے حرام ہو چکے تھے - اور پوری جزئیات کی حرمت کا
فتح مکہ کے دن حضور علیہ السلام نے بیان فرمائی - اب ایک سلیم العقل آدمی خیال
کر سکتا ہے کہ سود کی وہ جزئیات جو فتح مکہ سے پہلے حرام ہو چکے تھی وہ ایسا سود
جو بین المسلمین ہو اور جو حصہ سود کا فتح مکہ کے دن حرام کیا گیا تھا اُس کا وہ حصہ
جو پہلے مسلم اور غیر مسلم کے فیما بین غیر دارالاسلام میں رائج تھا اور حلال تھا اب ذمی
ثانی کے مسلم یا معاہد ہو جانے پر حرام ہو گیا - ابن عباس کا وہ فقرہ یہ ہے - فلما اظہر
اللہ تعالے رسولہ علی مکۃ ووضع یومئذن الربو کلہ - ترجمہ پس جبکہ خدا
تعالےٰ نے اپنے رسول کو مکہ پر غالب کیا اور اُس رسول نے اس دن بیاج کے
جزئیات کو فتح مکہ سے پہلے بیاج کا کوئی حصہ بھی حرام نہ کیا گیا ہو - کیونکہ بحکم تورات
کے تمام جزئیات کو حرام فرما دیا - کُلّہٗ کا لفظ محل استشہاد ہے اور یومئذ کا لفظ قابل
غور ہے - نیز یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ فتح مکہ سے پہلے بیاج کا کوئی حصہ حرام نہ کیا گیا
کیونکہ بحکم تورات بیاج حرام تھی - نیز قسطلانی کی عبارت محولہ صدر کہہ رہی ہے کہ حرمت
ربو بہت مدت پہلے بیان ہو چکی تھی - تو پھر فتح مکہ کے دن صرف وہی سود حرام
گیا تھا جو پہلے بہ سبب مکہ کے غیر دارالاسلام ہونے کے اُس جگہ کے غیر مسلموں اور
مسلموں کے فیما بین جائز اور رائج تھا -

علامہ بغوی معالم التنزیل میں آیت یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ ذروا ما بقی
من الربو ان کنتم مؤمنین ہ کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت عباس اور
حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالےٰ عنہما کے حق میں یہ آیت اُتری ہے اس طور
پر کہ یہ دونوں حضرات جاہلیت کے زمانہ میں شریک تھے اور بنو عمر بن عمیر سے جو
ثقیف میں سے ایک قبیلہ ہے بیاج کا معاملہ کیا کرتے تھے - پس اسلام آ پہونچا اور

ان دونوں حضرات کے بیاج کا [illegible] سا مال قبیلہ موصوف کے ذمہ باقی تھا۔ پس باری عزاسمہ نے آیت مبارکہ منو[illegible] صدر نازل فرمائی اور اس سے مابعد حجۃ الوداع میں عرفہ کے خطبہ کے دن حضور علیہ السلام نے وعظ فرمایا اور کہا کہ جاہلیت کے زمانہ کی بیاج موقوف ہے اور میں تمام اپنے خاندان میں سے پہلے عباس بن عبدالمطلب کی بیاج کو موقوف کرتا ہوں البتہ عباس کی تمام بیاج غیر واجب الادا ہے۔ اور باطل ہے۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ قال السدی نزلت فی العباس و خالد بن الولید وکانا شریکین فی الجاھلیۃ یسلفان فی الربوا الی بنی عمرو ناس فی ثقیف فجاء الاسلام ولھما اموال عظیمۃ فی الربوا فانزل اللہ تعالی ھذہ الایۃ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی حجۃ الوداع فی خطبۃ[٥] یوم عرفۃ الا کل شیئ من امر الجاھلیۃ تحت قدمی موضوع ودماء الجاھلیۃ موضوعۃ وان اول دم اضع من دمائنا دم ربیعۃ بن الحارث کان مسترضعا فی بنی سعد فقتلہ ھذیل وربوا الجاھلیۃ موضوعۃ واول ربوا اضعہا ربوا عباس بن عبد المطلب فانھا موضوعۃ کلھا۔ اس روایت کا ترجمہ ابھی گذرا ہے۔ اس ہمارے استدلال پہ معترض مندرجہ ذیل سوال کرسکتا ہے۔

(۱) یہ کہ ہر دو حضرات کا یہ معاملہ جاہلیت کے زمانہ کا تھا جو قابل احتجاج نہیں ہے۔

(۲) اگر اسلام کی حالت میں بھی یہ معاملہ قایم رہا تھا تو ربوا ابھی تک حرام نہیں ہوئی تھی

(۳) اگر ربو حرام ہو چکی تھی تو ان حضرات کو ابھی تک ربو کی حرمت کا علم نہ ہوگا۔

(۴) اگر حرمت ربو کا علم بھی تھا تو روایت کے الفاظ سے نہیں پایا جاتا کہ اس ربو

[٥] یہ خطبہ صحیح مسلم میں بھی مروی ہے پر آیت کے نزول کا ذکر نہیں ہے۔ اور یہ تناقض میں شمار نہیں ہو سکتا [illegible] راوات حدیث بعض جگہ حدیث کو پورا اور بعض جگہ اُس کا کچھ حصہ بیان کر دیتے ہیں چنانچہ صحیح بخاری میں متعدد جگہ اس کی نظیر موجود ہے از انجملہ باب العیدین میں ابن عمر کی حدیث تجمل بھا للعید والوفود ہے باب الجمعۃ میں اس فقرہ میں عید کا ذکر نہیں ہے اور باب العید میں جمعہ کا لفظ نہیں اور ابن عمر سے ہر دو مروی ہیں۔ ۱۲

کے مال کا یہ حضرات مطالبہ کرتے تھے۔

(۵) روایت سے معلوم نہیں ہوتا کہ نزول آیت کے وقت یہ بنو عمر مسلمان ہو چکے تھے یا کیا۔

مگر ہمارے تمہیدی قواعد کے زیر لحاظ رکھنے پھر روایت کے الفاظ پر کافی غور کر لینے کے بعد۔ یہ اعتراضات بڑی سہولیت کے ساتھ دفع ہو جاتے ہیں۔ فقرہ کانا شریکین فی الجاہلیۃ سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں حضرات کی شراکت جاہلیت کے زمانہ کی چلی آتی تھی۔ پھر یسلفان فی الربوا الی بنی عمر کو فی الجاہلیۃ کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا ان کے ربو کے معاملہ کو روایت کے الفاظ میں فی الجاہلیۃ کی قید سے مابعد میں لا کر دکھایا گیا ہے کہ یہ ربو کا معاملہ جاہلیت کے زمانہ سے مابعد بھی جاری رہا۔ پھر روایت کے فقرہ فجاء الاسلام ولہما اموال عظیمۃ فی الربو۔ پر بہت زیادہ غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ اس فقرہ کا معنی یہ ہے کہ فجاء الاسلام فی ثقیف یعنی ثقیف میں اسلام آ پہونچا اور ان کے ذمہ حضرت عباس اور خالد بن ولید کا سود موجود تھا۔ کیونکہ اگر مطلق اسلام یا اسلام خالد و عباس رضی اللہ عنہما مراد ہو تو پھر اس کے مابعد کے فقرہ فانزل اللہ تعالیٰ ھذہ الآیۃ کا کوئی معنی نہیں ہو سکتا حرف فا تعقیب بلا مہلۃ پر دلالت کرتی ہے جس کا یہ صریح مفہوم ہے کہ اسلام آنے سے بعد علے الاتصال آیت نازل ہوئی۔ پھر یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت عباس و حضرت خالد کے اسلام یا صرف اسلام سے علے الاتصال تو آیت کا نزول نہیں ہوا بلکہ آیت تو قرآن کے اخریات النزول میں سے ہے کما سبق پس اس سے علے الیقین یہی مراد ہو گی کہ ثقیف میں اسلام تو ہجرت کے دسویں سال سے تھوڑا پہلے ہوا ہے جیسے کتب سیر و تواریخ سے ثابت ہے اور الخمیس جلد ثانی کے صفحہ ۱۴۹ پر بالتشریح مندرج ہے۔ تو پھر یہ خیال کرنا کہ ابھی تک حضرت عباس کو اور حضرت خالد رضی اللہ عنہما کو سود کی حرمت بذریعہ تورات و احادیث معلوم نہیں

یہ خیال محال ہے سود کی حرمت ایسا اہم اور ضروری مسئلہ کبار صحابہ کو نہ معلوم ہو پھر حضرت کے چچا کو نہ معلوم ہو ... بات ہے۔ یہ کہ آیت کے نزول سے پہلے ہی حضور علیہ السلام نے احادیث سے سود کو حرام فرمایا ہوا تھا گذر ہی چکا ہے۔ پھر یہ خیال کہ ان حضرات نے سود نہ مانگا ہو گا بیہودہ ہے۔ قرآن کی صریح نہی علے الاعلان کر رہی ہے کہ اس کا تقاضا ہوتا تھا یا ہونا تھا۔

اعشیٰ (صناجۃ العرب) کے ترجمہ میں مورخین لکھتے ہیں کہ اس نے حضور علیہ السلام کی مدح میں ایک قصیدہ[1] لکھا اور آپ کی زیارت کے لئے اونٹنی پر سوار ہو کر چلدیا۔ قریش کو معلوم ہوا تو انہوں نے اس کے روکنے کا ارادہ کر کے اس کو راستہ پر جا لیا اور محرمات شرعیہ کی فہرست اس کے آگے پیش کر کے کہا کہ یہ چیزیں جو ہم ہمیشہ کھاتے پیتے کرتے کراتے ہیں محمد صلے اللہ علیہ وسلم ان کو حرام فرماتے ہیں یہ فہرست پیش کرنے والا ابوسفیان تھا اور اس فہرست میں بیاج اور قمار بھی داخل کی ہوئے تھے۔ اس روایت سے یہ بات بخوبی ثابت ہو جاتی ہے کہ فتح مکہ سے پہلے سود کی حرمت یہاں تک مشہور تھی کہ غیر مسلموں کو بھی معلوم تھی پھر کیوں کر ممکن ہے کہ صحابہ کو نہ معلوم ہو (ابوسفیان فتح مکہ کے دن مسلمان ہوا تھا) علامہ بغوی نے معالم التنزیل میں اس آیت کے نزول کا دوسرا سبب ان لفظوں سے بیان کیا ہے قال العطاء وعکرمۃ ان العباس بن عبد المطلب وعثمان ابن عفان رضہ سلفا فی التمر فلما حضر الجذاذ قال لھما صاحب التمر انکما ان اخذ تما حقکما لا یبقی لی ما یکفی عیالی فھل لکما ان تاخذا النصف وتوخرا النصف واضعف لکما ففعلا فلما حل الاجل طلبا الزیادۃ فبلغ ذلک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنہاھما عنہ وانزل اللہ تعالیٰ ھذہ الآیۃ فسمعا واطاعا۔ ترجمہ عطا اور عکرمہ رضہ فرماتے ہیں کہ حضرت عباس اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ

[1] یہ شاعر یمامہ کا رہنے والا تھا۔ [2] اُس قصیدہ کے کچھ ابیات یہ ہیں۔ الم تغتمض عیناک لیلۃ ارمدا وعادک [illegible]

عنہا نے کھجوروں کی بیع سلم کی۔ جب کھجوروں کے اتارنے کا وقت پہونچا تو کھجوروں کی
فروخت کرنیوالے نے کہا کہ اگر شرط بیع کے مطابق تم تمام کھجوروں کو لے جاؤگے۔ تو
میرے عیال کے لئے کچھ نہیں بچیگا اس لئے تم آدھی کھجوریں لے لو۔ اور آدھی ج
دن کے لئے میعاد مقرر کردو اس میعاد پر دوگنی کھجوریں تم کو دوں گا ایسا ہی کیا
گیا۔ میعاد کے پہونچنے پر ان حضرات نے دوچند کھجوریں مانگیں۔ حضور علیہ السلام کو خبر
ہوگئی۔ آپ نے منع فرمادیا اور آیت ذروا مابقی من الربوا ان کنتم مومنین نازل
اور ان حضرات نے سنکر عمل فرمایا اور ربا چھوڑ دی یہ آیت تفسیر مظہری میں بھی موجود
ہے۔ اس روایت سے یہ امر بھی بخوبی ثابت ہوگیا کہ آیت کے نزول کے وقت
(جو بالاتفاق حضور علیہ السلام کی عمر کا آخری حصہ تھا) تک صحابہ غیر مسلموں سے
سود کا تقاضا کرتے رہے۔ اس روایت کے الفاظ سے اگرچہ اس کھجوروں کے
بیع کرنے والے کا کفر ثابت نہیں ہوتا لیکن یہ یقینی امر ہے کہ صحابہ مسلمان سے
سود لینے کا اقدام نہیں کرتے تھے۔ اور سود حرام ہوئے ایک مدت دراز گذر چکی
تھی۔ یہاں تک کہ کفار کو بھی فتح مکہ سے بہت پہلے معلوم ہوگیا تھا کہ محمد صلی
اللہ علیہ وسلم سود کو حرام فرماتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو اعشی کا قصہ پھر قسطلانی کی عبارت
مرقومہ صدر)

قرآن کریم سے تیسرا استشہاد

سورۂ نسا پارہ میں باری عزاسمہ فرماتے ہیں۔ وَاَخۡذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدۡ نُهُوۡا
عَنۡهُ ترجمہ یہودیوں کی گنہگاری بہ سبب ان کی سود خواری کے بھی تھی جسے وہ منع
کئے گئے تھے۔ آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ تورات میں سود کو حرام قرار دیا گیا تھا
اب تورات کی طرف جھکنے اور اس میں سود کا مسئلہ تلاش کرنے کے دو سبب

ری آنکھوں کے سامنے موجود ہے (۱) یہ کہ قرآن کریم تورات مقدس کا حوالہ
قابل ہے ایک تحقیق طلب دل ضرور یہ خواہش کرے گا کہ وہ تورات کی وہ عبارت
ی جس میں سود حرام کیا گیا ہے کیونکہ اُس سے اسکو بہت فواید حاصل ہونے کی توقع
کرتی ہے - جیسا یہ کہ اس نبی عربی اُمی (فداہ ابی و اُمی صلے اللہ علیہ وسلم) کی صداقت
و خبر زیادہ اطمینان اور یہ کہ وہ ایک الہامی کتاب کے طرز بیان کو دوسری الہامی
تاب کے طرز بیان سے مقابلہ کرکے آلہی اندازِ بیان کا اندازہ لگائیگا -

ہوم) یہ کہ قرآن کریم میں سود کی تحریم کی آیت مجمل ہے جس کے بیان کے لئے دوسری
یات یا احادیث کی طرف رجوع ضروری ہے دوسری آیات سے دو پتہ ملتے ہیں اول
ہ تورات میں بھی سود حرام لکھا گیا تھا (واخذہم الربوا وقد نہوا عنہ) دویم یہ کہ اشتباہ
رفع کرنے کے واسطے تورات کی طرف رجوع چاہئے -

فاسئل الذین یقرئون الکتاب من قبلک) پس ہم ارشاد قرآنی کے مطابق سود
کے مسئلہ کو تورات سے لیتے ہیں - تورات میں مندرجہ ذیل آیتیں ہمکو سود کی تحریم
ی بابت ملی ہیں (۱) اگر تو میرے لوگوں میں سے جس کسی کو جو تیرے آگے محتاج ہے
چھ قرض دیوے تو اُسے بیاجیوں کی طرح سلوک مت کر اور اُس سے سود مت لے
خروج باب ۲۲ - آیت ۲۵ - (۲) اور اگر تمہارا بھائی تمہارے بیچ میں محتاج اور
تہیدست ہو جاوے تو تم اُس کی دستگیری کرو خواہ وہ اجنبی ہو خواہ مسافر تاکہ وہ
تیرے ساتھ زندگانی بسر کرے تو اوس سے سود اور نفع مت لے پر اپنے خدا سے ڈرتا
کہ تیرا بھائی تیرے ساتھ زندگانی بسر کرے تو اوس سے سود پر روپیہ قرض مت دے
احبار - باب ۲۵ - آیت ۳۵ - ۳۶ - ۳۷ (۳) تو اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دیجیو - نہ
نقد کے سود پر نہ غلہ جات کے سود پر نہ کسی چیز کے جس کی عاریت سود پر کی جاتی

٥ تجھے شک ہو تو جو لوگ تجھ سے پہلے کتاب آلہی پڑھتے ہیں ان سے پوچھ لے - حضور علیہ السلام کو خطاب ہے ۱۲

تو اجنبی کو سودی قرض دے سکتا ہے۔ پر اپنے بھائی کو سودی قرض
دیکھو۔ استثنا باب ۲۳۔ آیت ۱۹۔ ۲۰ خروج باب ۱۲۔ آیت ۴۸ سے صاف
ہوتا ہے کہ اجنبی تورات کی اصطلاح میں نامختون کو کہتے ہیں (جیسے آجکل
عیسائی) جو موسوی شریعت کا پابند نہ ہو۔ بعض جگہ تقابل کے قرینہ سے اجنبی
دوسری قوم کا بھی کہا گیا ہے۔ اگرچہ موسوی ہی ہو اور موسوی ہونے کی وجہ
اُس کو بھائی بھی بولا گیا ہے جیسے احبار کی اس آیت میں الّا استثنا کی آیت
بھائی کے لفظ سے تو مطلق موسوی مراد ہے احبار کی آیت کے قرینہ سے
کے لفظ سے غیر موسوی مراد ہے بھائی کے لفظ کے قرینہ سے۔ (۴) تم لوگ
اپنے اپنے بھائی سے سود لیتے ہو۔ نحمیاہ باب ۵۔ آیت ۷۔ (۵) میں بھی
بھائی اور میرے چاکر ان سے روپیا اور غلہ لے سکتے پر میں تمہاری منت کرتا
کہ ہم لوگ سود لینے سے ہاتھ اوٹھا دیں۔ نحمیاہ باب ۵۔ آیت ۱۰۔ (۶) حضرت
کی الہامی عبارت مندرجہ زبور ۱۵ میں یروشلم پر دائمی قبضہ رکھنے والوں کی علا
میں سے ایک یہ علامت بیان ہوئی ہے۔ وہ جو سود کے لئے قرض نہیں دیتا
تو نے بیاج اور سود لیا ہے اور ظلم کر کے اپنے پڑوسی کو لوٹا ہے۔ حزقی ایل باب
آیت ۱۲۔

ہم نے وہ تمام آیات جو ہمیں تورات یا دوسرے الہامی صحیفوں سے ملی ہیں
دی ہیں تاکہ سوچنے والا سوچے اور علی الخصوص ذیل کے چند نتائج پر جو ان آیات
پڑھنے سے نکلتے ہیں کافی غور کرے اور پھر سوچے۔

(۱) تورات میں سود کی حرمت موسویوں کے باہمی معاملات سے مخصوص ہے
اجنبی (غیر موسوی) سے سود لینا حلال اور جائز ہے جیسا کہ کتاب استثنا کی آیت
اور دوسری آیتیں (بجز تورات کی آیت کے) اشارۃً بتا رہی ہیں (۲) زبور کی آیت

قرض ہے بعینہ جیسا کہ قرآن کریم کی [آیت] وحرم الربو۔ اِلّا استثنا۔ اور خروج۔
کی آیات اُس کے لئے بیان ہوا بعینہ جیسا کہ آیت وَلَا تَاکُلُوا اَموَالَکُم بَینَکُم
بالباطل۔ بیان ہے آیت وَحَرَّمَ الرِّبٰوا کے لئے۔ (۳) خداوند عالم جس سود خواری
بنی اسرائیل یہودیوں پر آیت وَاَخذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَد نُهُوا عَنهُ میں لگاتا ہے اور اس سے مراد
وہ مخصوص سود خواری ہے جو توریت اور قرآن کریم میں حرام قرار دی گئی تھی یعنے
اپنے بھائی ہم مذہب سے بیاج لینا۔ جیسے نحمیاہ کی کتاب کی آیت بتا رہی ہے
الربو جو مفرد معرف باللام ہے وہ تمام افراد کا حاوی نہیں ہے اور یہی مذہب صحیح
ہے کہ مفرد معرف باللام استغراق الافراد کا مفید نہیں ہوتا اور کہ وہ عام کے اقسام میں
شمار ہونے کا حق نہیں رکھتا کیونکہ وَاَخذِهِمُ الرِّبٰو میں ایک قسم خاص کی حکایت
کرتا ہے۔ (۵) سود کی تحریم میں قرآن کریم کا طرز بیان توریت کے انداز بیان سے
بالکل متفق ہے اور یہ ایک معنی خیز بات ہے جس پر زیادہ غور کرنا لازم ہے۔ قرآن
علیم میں بھی سود کی تحریم صدقات کی ترغیب و تحریص کے بعد واقع ہوئی ہے اور
توریت میں بھی ایسا ہی حال ہے۔ پھر جس شخص کو اس امر کا یقین حاصل ہے کہ آیات
قرآنی کی ترتیب اور نظم خاص لغو اور لاطائل نہیں ہے اُس کو اس امر کے ماننے
میں ذرہ بھی تامل نہ ہوگا کہ صدقات کی ترغیب کے ساتھ علی الاتصال سود کی تحریم
کا ذکر اور سود کی قباحت کا صدقات کی برکت کے ساتھ مقابلہ یمحق اللہ الربوا ویربی
الصدقات صرف اسی غرض کے لئے ہے کہ سود کا معاملہ صدقات کو روکنے والا ہے
اور جس شخص کو اپنا روپیہ سود پر دینا عادت ہوگیا ہوگا۔ اُس کو کوئی رقم صدقہ کے
طور پر دینا نہایت دشوار ہوگا۔ اب غور کر لینا چاہئے کہ صدقات کا مصرف صرف
مسلمان یا معاہد وہ غیر مسلم جو مسلمان بادشاہ کی رعیت ہوا ہو ہیں جب وہ محتاج
ہو جاویں۔ ایسا غیر مسلم جو اسلامی خلافت کے ماتحت نہ ہو صدقات کا مصرف نہیں

ہے لہذا اُس کے ساتھ ربو کا معاملہ بھی حرام نہ ہوگا۔ اسی موقع پر سید صاحب
نے یہ سوچا تھا کہ چونکہ سود مانع الصدقات ہونے کی وجہ سے حرام ہے اس لئے جو
تونگر ہیں خواہ وہ مسلمان بھی ہوں ان سے سود لینا حلال ہے لکن سید صاحب
اس موقع پر یہ خیال نہیں فرمایا کہ احادیث صحیحہ ان کے اس خیال کے برخلاف
ہیں اور کہ مسلمان کا مال چونکہ بہر وجہ معصوم ہے اس لئے وہ سود کے ذریعہ سے
حرام ہے۔ ہمارے اس استدلال پر معترضین کا حق ہے کہ وہ ہم سے اس کا
لیں کہ توراۃ میں تحریف ہو چکی ہے قرآن کریم اس تحریف کا گواہ ہے (یحرفون الکلم
عن مواضعہ) پھر کیونکر توراۃ کی آیات سے استدلال صحیح ہو سکتا ہے۔ اس کے جواب
میں مختصراً گذارش ہے کہ بذریعہ ارشاد قرآنی یہ بات تو ہم کو معلوم ہو گئی ہے کہ توراۃ
میں سود کی حرمت مذکور ہے (واخذہم الربو وقد نہوا عنہ) لہذا یہ وہم کہ توراۃ میں سود
کی تحریم کی آیات زاید داخل کی گئی ہیں بالکل رفع ہو گیا۔ صرف اتنا وہم رہجاتا ہے کہ
ممکن ہے کہ ان آیات میں یہ فقرہ (تو اجنبی سے سود لے سکتا ہے) بڑھا دیا گیا ہے
اس کے دفعیہ کے لئے التماس ہے کہ ہمارے اسلام کے محقق فضلا اس امر کے قائل ہیں
کہ توراۃ کی تحریف صرف اس طرح پر ہوئی ہے کہ الفاظ محتمل المعانی کی تفسیر میں تاویل
بیجا سے کام لیا گیا ہے۔ بلکہ بشارات محمدیہ جو کہ اجمالی طور پر واقع تھیں (جیسا کہ
پیشین گویوں کا شیوہ ہے) اُنکے محل بیان کرتے وقت تعصب سے کسی دوسرے
آدمی پر اولٹا دیں لکن یہ کہ یہودیوں نے توراۃ کے تمام نسخجات تبدیل کر ڈالے
تھے اور ان میں سے کچھ کاٹ دیا ہو یا کہ اپنی طرف سے کچھ بڑھا دیا ہو خیال باطل
ہے۔ قرآن کریم اس خیال کی تردید کرتا ہے۔ وعندھم التوراۃ فیہا حکم اللہ ترجمہ
یہودیوں کے پاس توراۃ ہے اور اُس میں خدا کا حکم ہے۔ اگر توراۃ کے الفاظ میں
تحریف ہوتی یا کہ اُس میں کچھ کمی بیشی ہوتی تو پھر یہ کہنا کب صحیح ہوتا کہ اُن کے پاس

تورات ہے اور اُس میں خدا کے احکام ہیں۔ کشاف اور مظہری نیز بعض دوسری تفاسیر
سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کے مبارک حلیہ میں یہود کے علماء آپ کے
زمانہ میں تبدیلی کرتے تھے لیکن اس کا محل یہ ہے کہ وہ نابکار جاہل یہودیوں کو تورات
میں سے مخالف حلیہ پڑھ کر سنا دیتے ہوں گے نہ یہ کہ وہاں لکھ دیتے تھے کیونکہ متعدد
نسخجات تورات میں لفظی تبدیلی پر اجماع کرنا ایک ایسی قوم سے جو اس کتاب کو کتاب
خدا سمجھتے تھے عقل سے بہت ہی بعید ہے اور یہ بات تھوڑی سی غور سے ہر ایک
شخص خیال میں لا سکتا ہے۔ یہ بات صحیح ہے کہ چونکہ زمانہ قدیم میں کاغذ نہیں تھا اور
پتھروں یا چمڑوں پر نہایت تکلیف سے کوئی چیز لکھی جاتی تھی اس لئے بخت نصر
کے وقت تورات کے نسخجات معدودے چند تھے اور اس سخت حادثہ میں وہ بھی
تلف کئے گئے تھے نیز یہود کے علماء قتل کردیئے گئے تھے یروسلم تباہ ہو گیا تھا اور
اوس میں سے تمام اموال اور یہودی قیدی بابل میں لائے گئے تھے اس حادثہ
کے مابعد تورات کے جمع کرتے وقت بہت سی جگہوں پر غلطیاں واقع ہو گئی ہیں
جیساکہ خروج باب ۳۲۔ آیات ۲۔۳۔۴ میں لکھا ہے کہ بنواسرائیل کو بچھڑا پرستش کے
لئے حضرت ہارون نے بنا دیا تھا۔ پھر خروج باب ۷، کی پہلی آیت میں لکھا ہے کہ خدا
نے موسے کو کہا میں نے تجھے فرعون کے لئے خدا سا بنایا۔ اور تیرا بھائی ہارون تیرا پیغمبر
ہوگا۔ پھر خروج باب ۲۴ آیت ۹۔۱۰ میں لکھا ہے کہ موسے اور ہارون اور بزرگ اسرائیلیوں
نے خدا کو دیکھا کہ اُس کے پاؤں کے تلے جیسے نیلم کی گچکاری اور اُس کے شفافی
جرم آسمان کی مانند تھے۔ باوجودیکہ خروج باب ۳۳ آیت ۲۰ میں صاف لکھا ہے
کہ خداوند نے موسے کو کہا کہ تو میرا چہرہ نہیں دیکھ سکتا۔ لکن یہ غلطیاں عمداً نہیں کی
گئیں بلکہ تورات اور یہودیوں پر جس قدر حادثات گذرے ہیں اونکا یہی نتیجہ ہونا
چاہیئے تھا کہ تورات میں کچھ غلطیاں واقع ہوں۔ تاہم جو مسئلہ تورات میں لکھا ہوا

جاوے اور وہ قرآن کریم یا حدیث صحیح کے برخلاف بھی نہ ہو تو اُس کے نہ ماننے یا محرف
کہنے کے لئے کوئی وجہ نہیں ہے۔ صرف یہ کہنے کا کسی معترض کو حاصل ہے کہ وہ اسکو
ظنی کہدے لیکن بجز قرآن کریم اور حدیث متواتر کے باقی ادلہ شرعیہ بھی تو ظنی ہی ہیں
خبر واحد بالکل ظنی ہے مع ہذا واجب العمل ہے اجتہاد مجتہدین ظنی ہو کر مقلد کیلئے واجب
العمل ہے۔ اجماع اگر کسی مسئلہ پر متحقق ہو جاوے تو اُس کو بھی قطعی کہا جاسکتا ہے۔
مگر یاد رہے کہ اجماع امت بہت ہی کم مسئلوں میں بالاستقلال حجت شرعی ہو کر متحقق
ہے۔ اکثر جن مسائل میں اجماع پایا جاتا ہے اُن میں کتاب اللہ یا حدیث بھی موجود
ہے۔ صرف اجماع۔ کتاب اللہ اور حدیث کے معیت کے علاوہ اگر ہے تو بہت ہی
کم۔ صحاح ستہ کی احادیث قریباً سب ہی اُحاد ہیں جن میں یہ شبہ باقی ہے کہ یہ حضور
علیہ السلام پر افترا باندھا گیا ہو لیکن جب تک یہ بات ثابت نہ ہو جاوے کہ یہ افترا ہے یا اس
کا کسی قوی قرینہ سے شک نہ پڑ جاوے تو یہ احاد واجب العمل ہیں ایسا ہی جبتک
تورات کی آیات کے برخلاف کوئی شرعی حجت قایم نہ ہو واجب العمل ہی ہیں تورات
کی یہ آیات مسلمانوں کے اکثر حصے کے فہم کے مطابق قرآن و حدیث کے ساتھ متفق
ہیں۔ ابن خلدون جلد ثانی صفحہ ۹ پر تحریف کی بابت ایک مدلل اور وجیہ بحث موجود ہے
اصل عبارت حاشیہ پر لکھکر اُس کا خلاصہ ذیل میں عرض کرتا ہوں۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ

وکذا ما یقال من ان علماء الیهود بدلوا مواضع من التوراة بحسب اغراضهم فی دیانتهم فقد قال ابن عباس
علی ما نقل عنه البخاری فی صحیحه ان ذلك بعید وقال معاذ الله ان تعمد امة من الامم الی کتابها المنزل علی
نبیها فتبدله او ما فی معناه قال وانما بدلوه وحرفوه بالتاویل ویشهد لذلك قوله تعالی و
عندهم التوراة فیها حکم الله واذا بدلوا من التوراة الفاظها لم یکن عندهم التوراة التی فیها
حکم الله وما وقع فی القرآن الکریم من نسبة التبدیل والتحریف فیها الیهم فانما المعنی به التاویل اللهم
الا ان یطرقها التبدیل فی الکلمات علی طریق الغفلة وعدم الضبط وتحریف من لا یحسن
الکتابة بنسخها فذلك یمکن فی العادة لاسیما وملکهم قد ذهب وجماعتهم انتشرت فی الآفاق
واستوی الضابط وغیر الضابط والعالم والجاهل ولم یکن وازع یحفظ لهم ذلك لذهاب
القدرة بذهاب الملك فتطرق من اجل ذلك الی صحف التوراة فی الغالب تبدیل وتحریف
غیر معتمد من علمائهم واحبارهم ویمکن من ذلك الوقوف علی الصحیح منها اذا تحری ذلك بالبحث

یہودیوں نے اپنی اغراض کے مطابق تورات کے بعض مقاموں کو بدلدیا ہے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی اس طرح پر تردید فرماتے ہیں جیسا کہ صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ یہ امر نہایت ہی بعید ہے کہ کوئی امت اپنے نبی کی الہامی کتاب کو دیدہ دانستہ بدل دے اُن کی تبدیلی صرف بعض آیات کی تفسیر میں بطور تاویل ہے۔ خدا کا کلام وعندھم التوراۃ فیہا حکم اللہ اس بات کا گواہ ہے کہ اونہوں نے لفظی تبدیلی نہیں کی تھی ورنہ خدا یہ نہ فرماتا کہ اُن کے پاس وہ تورات ہے جس میں خدا کا حکم ہے۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ اُن سے سہواً بعض غلطیاں ہوئی ہوں کاتبوں نے نادانستہ بعض جگہ غلطی کی ہو۔ خصوصاً جبکہ اُن پر ہولناک مصائب گرے اور وہ دنیا میں پریشان حالت میں تتر بتر ہو گئے۔ اون کا ملک اور سلطنت اوکھڑ گئے لکن اگر کوئی جستجو کرنے والا محقق تورات کے مسائل میں اصلیت پر پہونچنا چاہے تو پہونچ سکتا ہے۔ صحیح بخاری صفحہ ۶۶۲ سورۂ مائدہ کی تفسیر میں لکھا ہے قال سفین ما فی القرآن اٰیۃ اشد علیّ من۔ لستم علیٰ شیئٍ حتی تقیموا التوراۃ والانجیل وما انزل الیکم من ربکم۔ ترجمہ حضرت سفیان فرماتے ہیں تمام قرآن کریم میں آیت لستم علیٰ شیئٍ الخ سے از روئے احکام مجھ پر کوئی آیت بھی سخت تر نہیں ہے۔ ارشاد الساری شرح[1] صحیح بخاری اور دوسری شروح میں ہے آیت اس لئے سخت ہے کہ اس میں جیسا کہ قرآن کریم کی ہدایات پر چلنے کا ارشاد ہے ایسا ہی تورات وانجیل کے احکام کی تعمیل کا بھی حکم ہے۔ تورات کے احکام کے متعلق اس سے زیادہ لکھنے کا موقع نہیں ہے۔

قرآن کریم سے چوتھا استشہاد

وَهُم مِّن بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ فِي بِضْعِ سِنِينَ ۔ اس آیت کے شان نزول

[1] لما فیہا من التکلیف من العمل باحکام التوراۃ والانجیل ۱۲ قسطلانی شرح صحیح بخاری ۱۲

ہیں جملہ مفسرین یہہ لکھتے ہیں کہ فارسیوں کا رومیوں پر غلبہ اس بناپر کفار مکہ کے لئے باعث فرحت ہوا کہ فارسی کفار مکّہ کی طرح مشرک اور رومی اہل کتاب تھے۔ یہ امر مسلمانوں کی دلشکنی کا باعث تھا آیت کریمہ اُتری کہ یہ فارسی چند سالوں کے مابعد رومیوں سے مغلوب ہو جاویں گے۔ خلیفہ اول حضرت صدیق اُبیؓ سے جھگڑ کر شرط باندھ آئے کہ اگر تین سال کے اندر فارسی رومیوں کے ہاتھوں سے پٹ گئے تو دس اونٹنیاں میں تم سے لیلوں گا ورنہ تمکو دس دیدوں گا۔ حضور علیہ السلام کو خبر ہوئی آپ نے ارشاد فرمایا کہ بضع کا لفظ عربوں کی اصطلاح میں تین سے نو تک ہے اس لئے مدت اور شرط کا ایزاد ہونا چاہیئے بالآخر نو سال اور یکصد اونٹنی مقرر ہوئی حسب پیشین گوئی قرآنی حدیبیہ کے دن فارسی رومیوں کے ہاتھوں پٹ گئے حضرت صدیق نے اُبیؓ کے وارثوں سے یکصد اونٹنی حضور علیہ السلام کے حکم کے مطابق وصول کرلی۔ یہہ قصہ تمام تفاسیر اور کتب سیر میں مرقوم ہے۔ عبارتوں کی نقل لغو اور بیہودہ ہے۔ اس قصہ سے ہمارا استدلال اس طرح پر ہے کہ یہہ ایک سو اونٹ قمار ہیں حضرت رسول اکرم کے حکم سے حضرت صدیق کا لے لینا صرف اسی وجہ سے ہے کہ غیر دارالاسلام میں غیر مسلموں کا مال ایسی طرح پر مباح الاصل ہوتا ہے کہ اُس کو غدر، سرقہ کے بغیر اون کی رضامندی اور اجازت سے ہر طرح مسلمان حاصل کر سکتا ہے۔ الغرض مسلمانوں یا معاہدوں کا مال دارالاسلام میں ایسی طرح پر معصوم ہے کہ وہ مالک کی رضامندی پر بھی اخروی یا دنیوی معاوضہ کے بغیر حاصل کرنا حرام ہے لکن غیر دارالاسلام میں غیر مسلم کا مال ایسی عصمت سے معصوم نہیں ہو سکتا اور کہ بغیر وجوہ غدر کے اُس مال کو مسلمان لے سکتا ہے خواہ بذریعہ قمار ہو یا کہ بوسیلہ بیاج ہو۔ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین اس امر کی تصریح کرتے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہ اور امام محمد اسی آیت کے نزول کے واقع سے اس مسئلہ پر دلیل لاتے ہیں کہ ایسے غیر مسلم کا مال جو اسلامی حاکمیت کا رعیت نہیں ہے سود

لئے قمار وغیرہ بیوع فاسدہ سے حاصل [illegible] نا مسلمانوں کو .... جائز اور مسلمان کو حلال ہے۔ چونکہ متداولہ تفاسیر میں [illegible] عبارات موجود ہیں اس لئے اُن کی عبارات کا نقل [کر]ن سے کرنا فضول معلوم ہوتا ہے۔

ہمارے اس استدلال پر مندرجہ ذیل اعتراضات ہو سکتے ہیں (۱) قمار کا یہ معاملہ [...]ں میں تحریم قمار سے پہلے ہوا ہے جیسے کہ مفسرین نے حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے۔ اور ارشاد ترمذی میں بھی وارد ہے (۲) یہ کہ حضور علیہ السلام نے حضرت صدیق کو اُن اونٹوں ورشرط کے صدقہ کر دینے کا حکم فرما دیا تھا اگر حلال ہوتے تو ایسا نہ ہوتا۔ (۳) یہ قمار کا معاملہ ہے [...]ن حدیبیہ سود کی بابت اس میں ذکر نہیں ہے۔ مگر یاد رہے کہ اگرچہ قمار کا یہ عقد قمار کی تحریم سے [...]ں پہلے ہوا تھا لیکن قمار کی شرط پر اونٹوں کا وصول کرنا قمار کی تحریم سے مابعد ہوا ہے کیونکہ [...]فا یہ رومیوں کا فارسیوں پر غلبہ حدیبیہ کے دن ہجرت کے چھٹے سال میں ہوا تھا اور قمار و خمر [...] ہملا کی حرمت اس سے پہلے اوتر چکی تھی۔ بعض روایتوں میں یہ بھی وارد ہے کہ یہ غلبہ بدر کے دن ہوا تھا لیکن محقق مورخوں نے اس کی تردید کی ہے۔ روضۃ الاحباب۔ مدارج النبوت کشاف وغیرہ میں موجود ہے کہ یہ غلبہ حدیبیہ کے دن ہوا تھا اور بدر کے دن اس غلبہ کا ہونا ضعیف ہے۔ دوسرا بدر والی روایت میں یہ بھی اشتباہ ہے کہ بدر سے کون سا بدر مراد ہے۔ بدر کے تین واقعہ ہیں ایک دوسرے اور ایک تیسرے پھر ایک چوتھے سال ہجرت کے ہوا ہے۔ قمار و خمر کی حرمت کا وقت ہجرت کا تیسرا، چوتھا، چھٹا سال علی الاختلاف بیان کیا جاتا ہے۔ لیکن علامہ ابن اثیر اسد الغابہ میں لکھتے ہیں کہ مشہور اور صحیح یہی ہے کہ قمار و خمر کی حرمت تیسرے سال میں ہوئی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ خمر اور قمار کی حرمت متعدد دفعہ بذریعہ نصوص قرآنی بیان ہوئی ہے اس لئے ہر ایک فریق دوسری آیت کے نزول کا وقت بتاتا ہے ورنہ اس میں تو کچھ شک نہیں ہے کہ حضرت حمزہ و عمر و معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے استفسار پر یہ آیت نازل ہوئی تھی ؑ [...]

ؑ الخمیس جلد ثانی صفحہ ۲۹۔

فِیْهِمَا اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ترجمہ تو کہدے ... شراب اور قمار میں بڑا بھاری گنا
اور لوگوں کے لئے کچھ اس میں منافع بھی ہیں۔ پھر یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت حمزہ ہجر
کے چوتھے سال احد کے واقعہ میں شہید ہوگئے تھے۔ تو پھر ہجرت کے چوتھے سا
ہی نازل ہوئی ہے کیونکہ امام احمد بن حنبل حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں
رسول اللہ المدینۃ وھم یشربون الخمر ویاکلون المیسر فسالوا رسول اللہ عنہما فانز
اللہ تعالیٰ یسالونک عن الخمر والمیسر قل فیہما اثم کبیر ومنافع للناس واثمھما اکبر
نفعھا۔ الخ۔ حضور علیہ السلام کے مدینہ تشریف لانے کے وقت اہل مدینہ شراب پی
اور قمار کھیلتے تھے پس انہوں نے حضرت کے آتے ہی ان دونوں چیزوں کا حکم پو
تو یہ آیت نازل ہوئی فسالوا اور فانزل میں حرف فا تعقیب بلا مہلت پر دال ہے اور
مہلت پر حرف فا کی دلالت حقیقی اور قطعی ہے۔ پس بفرض محال اگر یہ بھی مان لیا
کہ رومیوں کا غلبہ بدر کے دن ہوا تھا جب بھی اُبیؓ سے یا اُبی کے وارثوں نے بشر
قمار وہ اونٹ لینے اس آیت کے نزول سے مابعد ہی ثابت ہوتے ہیں کیونکہ بدر کا
ہجرت کے دوسرے سال ہے اور آیت کریمہ ہجرت کے پہلے سال اتری ہے۔ ممک
ہے کہ بعض حضرات کے دلوں میں یہ خدشہ رہجاوے کہ آیت مذکورہ تحریم خمر و
میں نص نہیں ہے اور اس آیت کے نزول پر بھی بعض مسلمانوں نے شراب نہیں
چھوڑی تھی۔ لیکن معلوم کرلینا چاہیے کہ آیت مذکورہ میں فقرہ واثمھما اکبر من نفعھ
صریح نص ہے اس بات پر کہ ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت بڑا ہے پھر ظاہر ہے کہ نف
اگر ہے تو دنیوی ہے اور گناہ کا بدا اثر اخروی ہے تو پھر بھلا ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام ایسی چیز کی اجاز
دیں جس میں گناہ کبیرہ ہو صرف دنیوی نفع پر اخروی گناہ کو اپنی ذات پر بھگت لینا ایک خدا ترس عامی مسلما
بھی نہیں کرتا چہ جائیکہ سید المرسلین امام المتقین حضرت فخر عالم اور حضرت صدیق جس کو خداوند
قرآن کریم میں الاتقی کا لقب عطا فرماتے ہیں۔ وہ اثم کبیر اور اثمھما اک

لہ تفسیر مظہری

.... سنکر پھر قمار کا معا[ملہ ک]رتے حاشا وکلا۔ ممکن ہے کہ چونکہ عرب شراب
[کے] عادی تھے تو اس آیت کے اترنے پر بعض عام مسلمانوں نے شراب نہ چھوڑی
[او]ر یہ بھی ہوتا ہے کہ مالوفہ اور معتاد چیز کو یک دفعہ چھوڑ دینا باعث امراض ہوتا ہے
[اس] لئے حضور علیہ السلام نے بھی نہ رد کا ہو یا کہ یہ بذریعہ وحی غیر متلو کے حالت ضرورت
[مے]ں جائز رکھا گیا ہو لیکن قمار میں کوئی ضرورت نہیں تھی اور حالت ضرورت میں بھی حضور
[عل]یہ السلام اور حضرت صدیق سے یہ معاملہ سرزد ہونا محال ہے۔ باقی یہ کہ اونٹ صدقہ
[کئ]ے گئے تھے صرف اس لحاظ پر ہوا کہ اس وقت قرآن کریم کی ایک عظیم الشان پیشین گوئی
[پو]ری ہوئی تھی آپ کی رسالت پر ایک قاطعہ حجت قائم ہوئی تھی اور اس کا اعلان مقصود
[تھ]ا جو فقیروں مسکینوں کو وہی اونٹ کھلا کر کیا گیا اور ایک قسم کی عید منائی گئی۔ ورنہ
[م]احرم اخذہ حرم اعطاؤہ جس چیز کا لینا حرام ہوتا ہے اُس کا دینا بھی حرام ہوتا ہے
.... یہ کب ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام مسلمان فقیروں کو
حرام کھلاتے۔ یہ وہم ہے کہ یہ واقعہ قمار کا ہے سود کا اس میں ذکر نہیں ہے قمار کے
[ج]واز کی علت بعینہ سود میں موجود ہے اور وہ علت ہے غیر مسلم غیر معاہد کے مال کا غیر معصوم
ہونا جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے۔ شیخ ابن ہمامؒ فتح القدیر جلد ثالث کے صفحہ ۱۰۵ پر
لکھتے ہیں کہ امام محمد صاحب اپنی کتاب مبسوط میں لکھتے ہیں کہ ہجرت سے پہلے جب
آیت الم غلبت الروم اتری تو حضرت صدیق کو کفار مکہ نے کہا کہ کیا آپ اُمید رکھتے
ہیں کہ روم فارس پر غالب آ جائیگی حضرت صدیق نے کہا ہاں قریش نے حضرت
کو شرط باندھنے کی بابت کہا تو آپ نے شرط باندھی پھر حضور علیہ السلام کے ارشاد
کے مطابق مدت و مال مشروط کو بڑھا دیا آخر پیشین گوئی پوری ہو گئی۔ اور حضرت صدیقؓ

ط قال فی المبسوط ان ابابکر قبل الہجرۃ حین انزل اللہ الم غلبت الروم قال لہ قریش ترون ان الروم تغلب قال نعم فقال
ہل لک ان تخاطرنا فخاطرہم فاخبر النبی صلعم فقال النبی عم اذہب الیہم وزد فی الخطر ففعل فغلب الروم فارسا فاخذ ابوبکر
خطرہ واجازہ النبی عم وہذا القمار بعینہ بین ابی بکر ومشرکی مکۃ وکان مکۃ دار شرک ۱۲ فتح القدیر جلد ۳ صفحہ ۱۰۵۔

نے مال مشروط وصول کر لیا حضور علیہ السلام نے [illegible] رکھا اور یہ قمار تھا مگر چونکہ مکہ دار الاسلام نہیں ہوا تھا اس لئے جائز رکھا گیا۔ امام محمد صاحب کی یہ روایت اس امر کے لئے کافی ضمانت ہے کہ مال مشروط کا وصول کرنا تحریم قمار سے مابعد ہوا تھا اور کہ یہ جواز صرف اسی لئے تھا کہ غیر دار الاسلام کے غیر مسلموں سے بیاج۔ قمار جائز ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مال مشروط کا وصول بھی تحریم قمار سے پہلے ہوا تھا تو اس کے قول کی وقعت ہرگز نہیں ہو سکتی۔ امام محمد بن حسن شیبانی اور امام ابو حنیفہ علیہما الرحمۃ سے زیادہ واقف یہ شخص نہیں ہو سکتا۔

اَب میں چاہتا ہوں کہ سنۃ الرسول صلعم سے اس دعوے پر شاہد پیش کروں۔

سنۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلا استشہاد

یعقوب قال حدثنا بعض المشیخۃ عن مکحول عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لاربا بین المسلم والکافر فی دار الحرب۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ مجھے بعض مشایخوں نے حضرت امام مکحول سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ دار حرب میں مسلمان اور غیر مسلم کے فیمابین بیاج حرام نہیں ہے۔ اس حدیث کو امام محمد بن حسن نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کے ثبوت پر مندرجہ ذیل اعتراضات کئے گئے ہیں۔

(۱) بیہقی کی کتاب معرفۃ میں اس حدیث کی روایت میں یہ لفظ ہیں واظنہ قال واھل الاسلام چونکہ راوی کو ظن ہے اس لئے حدیث صحیح نہیں ہے (۲) بعض المشیخۃ کا لفظ مجمل ہے راوی کا نام نہیں ہے اس لئے قابل احتجاج نہیں ہے (۳) امام شافعی علیہ الرحمہ اس حدیث کی نسبت فرماتے ہیں ھذا لیس بثابت ولاحجۃ فیہ (۴)

…ل تابعی ہے اُس نے پیغمبر علیہ السلام کو نہیں دیکھا پھر کیوں بلا وسیلہ روایت
لیتا ہے۔ (۵) صحاح ستہ کے مصنفوں نے اس حدیث کو نہیں لیا صحیح ہوتی تو لیتے۔ اب
جوابات علے الترتیب سینئے۔ حدیث کی روایت میں جو لفظ واظن ہے وہ امام المذہب
کا قول نہیں ہے اور نہ مکحول کا بلکہ یہ امام شافعی علیہ الرحمہ کا ظن ہے پھر اُن کا یہ ظن حدیث
کی اس سند میں ضعف نہیں پیدا کر سکتا جو کہ امام اعظم اور حضور علیہ السلام میں ہے
اس کے علاوہ ظنِ غالب اگر روایت کا مانع ہوتا تو امام بخاری کی صحیح کتاب کی احادیث
کا ایک معتد بہ حصہ صحیح بخاری نہ رہتا۔ تمثیل کے طور پہ ملاحظہ فرمائیے۔ صحیح بخاری باب
الامامۃ میں ایک حدیث حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے نماز
ظہر میں بجائے چار کے دو رکعت پڑھیں ذو الیدین نے پوچھا الخ لکن صحیح بخاری باب
اذا سلم فی رکعتین فی ثلث میں یہی حدیث حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے اور اس
باب میں شک ہے کہ نماز ظہر کی تھی یا عصر کی۔ ایسا ہی صحیح مسلم میں اسی حدیث میں ایک
جگہ ظہر اور ایک جگہ عصر روایت ہوئی ہے۔ طرفہ یہ کہ ایک ہی راوی اور ایک ہی قصہ ہے
پھر ایک ہی کتاب میں۔ اب آپ اسی حدیث کی شرح میں ارشاد الساری شرح صحیح بخاری
جلد ثانی صفحہ ۲۹۹ کو ملاحظہ فرمائیے تعارض اس طور پہ دفعہ کیا گیا ہے۔ کہ اصل میں حضرت
ابو ہریرہ کو ظہر اور عصر میں شک تھا بعض دفعہ تو روایت میں اپنے شک کو ظاہر دیا کہ
معلوم نہیں ظہر تھی یا عصر۔ بعض اوقات ظہر کی جانب ظن غالب ہو گیا تو پھر روایت
میں ظہر کو ذکر کر دیا دوسری اوقات میں یہ ظن غالب ہوا کہ وہ نماز عصر تھی تو یہ روایت
کر دیا کہ وہ نماز عصر تھی اس لئے ایک روایت میں تو عصر اور ظہر میں شک مروی ہے اور
دوسری دو روایات میں یقینی طور پہ ایک میں عصر اور ایک میں ظہر مروی ہے۔ یہ اصل
عبارت عربی کا ترجمہ ہے اصل عربی عبارت حاشیہ پر مندرج ہے صحیحین میں سے ایسی

له وذکر بان الشک من ابی ہریرۃ فرواہ مرۃ علی شکہ وقد غلب علی ظنہ الظہر فروی الظہر بدون الشک ثم غلب علی ظنہ العصر فرواہ بلا شک

نظائر بکثرت پیش کرسکتا ہوں مگر مجھے امید ہے کہ اہل فہم کے سمجھانے کے لئے یہ ایک کافی نظیر ہے۔ اس روایت سے یہہ ثابت ہوگیا کہ ظن غالب بمنزلہ یقین کے ہوتا ہے اور یہ روایت میں ہارج نہیں ہے کیونکہ ایک جلیل القدر صحابی ظن غالب کو بمنزلہ یقین کے ٹھہرا کر بلاشک روایت کرتا ہے۔ مگر یاد رہے کہ حدیث لا ربو بین المسلم الحربی میں ظن کا لفظ حضرت امام اور رسول علیہ السلام کے فیما بین نہیں ہے اس لئے حدیث باب کو یقینی روایت تصور کرنا چاہئے۔ یہ کہ بعض المشیخہ کا لفظ مجمل ہے نام مذکور نہیں ہے کچھہ ہارج نہیں ہے بعض المشیخہ ایک تعظیم اور توقیر کا لفظ ہے جسے یہہ امر بخوبی ثابت ہوگیا کہ راوی ثقہ ہے اور اگر اس کی ثقاہت بھی ثابت نہ ہوتی بلکہ اگر ذکر بھی نہ ہوتا تو یہ حدیث اصول فقہ کی اصطلاح میں مرسل اور محدثین کی اصطلاح میں منقطع کہلاتی جو امام اعظم۔ امام مالک۔ امام احمد بن حنبل کے مذہب میں مقبول ہے۔ بحر العلوم شرح مسلم الثبوت کے صفحہ ۴۵۹ پر لکھتے ہیں اکثر علماء کا بھی مذہب ہے۔ ہجرت کے دو سو سال سے مابعد کے محدث اس کو نامقبول کہنے لگے۔ علامہ عینی ہدایہ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ بعض فضلاء اسلام کے خیال میں مرسل کا نامقبول کہنا ایک مبتدع قول ہے چوتھے سوال کا جواب بھی یہی ہے کہ اگر تابعی نے بلا واسطہ حضور علیہ السلام سے روایت کی ہے تو وہ مقبول ہے اور اس پر اکثر امت کا اتفاق ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ امام شافعی علیہ الرحمہ اس حدیث کی بابت یہ فرماتے ہیں کہ یہ ثابت نہیں ہے اور اسّے حجت نہیں پکڑی جاسکتی سو اس میں یہہ گذارش ہے کہ امام شافعی علیہ الرحمہ پر اس حدیث کی صحت نہ کھلی ہوگی وہ شروط جو حدیث کی صحت کی اس امام دین نے مقرر فرمائی ہیں اُن میں سے کوئی شرط اس میں مفقود ہوگی یا وہ اُن پر نہ کھلی ہوگی۔ چونکہ آپ مجتہد مطلق ہیں اس لئے آپ کو دوسرے مجتہد کی تقلید بھی روا نہیں تھی اس لئے آپ نے اس مسلہ کو تقلیداً بھی نہ مانا۔ حدیث چونکہ مرسل تھی اور مرسل حدیث اگرچہ تابعی ہی سے ہو

ب تک وہ سعید بن مسیب کی روایت نہ ہو آپ کے مذہب میں وہ حجت نہیں ہوتی اس لئے آپ نے فرمایا کہ یہ ثابت نہیں ہے یا یہ حجت نہیں ہے۔ مگر اسے یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ یہ حدیث حضرت امام الائمہ سراج الامہ نعمان بن ثابت اور حضرت امام محمد بن حسن شیبانی کو بھی صحیح طور پر نہ پونچی ہو۔ یہ ایک مقرر قاعدہ ہے کہ مثبت نافی پر مقدم ہوتا ہے۔ ایک شخص کو ایک حدیث صحیح طور پر نہیں پہونچی اور دوسرے شخص کو صحیح طور پر پہونچ گئی ہے تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ جس شخص کو صحیح طور پر حدیث پہونچ گئی ہو وہ بھی اُس حدیث پر عمل نہ کرے۔ امام اعظم علیہ الرحمہ کے تقوے اور پرہیزگاری تمام عالم میں مشہور ہے اگر یہ حدیث نصف النہار کے سورج کی طرح انکو صحت کے ساتھ نہ پہونچتی تو وہ کبھی یہ فتوے نہ دیتے۔ اور ایسا ہی امام محمد علیہ الرحمہ کا حال ہے۔ شیخ ابن الہمام فتح القدیر اور علامہ عینی بنایہ میں ان اعتراضات کا جواب دے کر لکھتے ہیں کہ اگر یہ حدیث صحیح نہ بھی ہوتی جب بھی حق امام اعظم علیہ الرحمہ کی جانب تھا کیونکہ ربو کی آیات کا اطلاق مال محترم کے ساتھ مقید ہے جب غیر مسلم کا مال غیر دار الاسلام میں محترم نہیں ہے اور وہ غدر کے بغیر تمام وجوہ سے لے لینا جائز ہے تو پھر قیاس صریح امام صاحب کے حق میں فیصلہ دیتا ہے۔ ایسا ہی مولوی محمد حسن اسرائیلی ہدایہ کے حاشیہ میں نہایت مدلل طور پر بعض اعتراض کا جواب لکھتے ہیں عبارات کی نقل فضول جانکر چھوڑ دی گئی ہے۔ طالب حق خود دیکھ سکتے ہیں۔

باقی یہ خیال کہ چونکہ حدیث مذکور صحاح ستہ میں نہیں ہے اس لئے ضعیف یا موضوع ہے ایک بیہودہ اور بے معنی وہم ہے۔ صحاح ستہ میں نہ ہونا حدیث کے ضعف یا وضع کا معیار نہیں ہے۔ صحاح ستہ کے علاوہ حدیث کی متعدد کتابیں موجود ہیں اور اُن میں بھی صحیح احادیث ملتی ہیں۔ امام مالک علیہ الرحمہ کی موطا اور امام محمد اور امام احمد کی مسانید صحاح ستہ سے علاوہ ایسا ہی رتبہ رکھتی ہیں۔ اور

اُن کے علاوہ حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کو جو صحیح احادیث اپنے مشائخ کرام سے پہنچی ہیں کون کہہ سکتا ہے کہ وہ صحیح نہیں ہیں شیخین رحمہما اللہ تعالےٰ نے خود لکھا ہے ہماری صحیحین کے علاوہ ہزارہا صحیحہ احادیث موجود ہیں جو ہم نے اپنی صحیحین میں نہیں لکھیں مصنفین صحاح ستہ سے پہلے خیر القرون کے محدث (جیسے حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ حضرت امام مکحول علیہ الرحمہ) جب حدیث کو صحیح لکھتے ہیں تو پھر صحاح ستہ میں اس حدیث کا نہ ہونا کونسا قبح ہے۔

انصاف یہ ہے کہ جن احادیث کی صحت حضرت امام صاحب سے مروی ہے وہ بعد کے محدثوں کی تضعیف سے ضعیف نہیں ہو سکتیں کیونکہ حضرت امام نے روات حدیث کی ثقاہت کی شروط اور حدیث کی روایت کے اصول و ضوابط تمام محدثین سے سنگین تر مقرر کئے ہیں۔ آپ روایت بالمعنی بھی جائز نہیں رکھتے جو صحاح ستہ کے مصنفین نے جائز رکھی ہے بلکہ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ صحاح ستہ کی تمام احادیث میں روایت بالمعنی ہی ہے الا ماشاء اللہ قسطلانی جلد ثالث صفحہ ۲۳ پر لکھتا ہے کہ ابو حاتم کہتا ہے علی ابن جعد (شیعہ) کے بغیر میں نے کوئی ایسا محدث (راوی) نہیں دیکھا جو حدیث کی روایت میں الفاظ محفوظ رکھتا ہو۔ پھر آپ خیال فرما سکتے ہیں کہ راوی نے جب احادیث کو اپنے فہم کے مطابق معانی نکال کر بیان فرمایا تو پھر الفاظ مشترکہ حقیقۃ و مجاز۔ استعارات۔ تشبیہات۔ الفاظِ مجملہ۔ مطلق و مقید۔ مفہوم مخالف۔ عام و خاص عہد و استغراق۔ الغرض تمام ایسے موقعوں میں جہاں مختلف آرا سے مختلف احکام سمجھ میں آتے ہیں صرف اس راوی کی رائے کی اتباع باقی رہجاتی ہے پھر ممکن ہے کہ اس بیان میں پھر ایسے الفاظ ذکر ہوں جو مشترک یا مجمل ہیں یا مجاز و تشبیہ سے اس نے کام لیا ہو تو یہ ایک دوسری مصیبت ہے پھر طرفہ یہ ہے کہ صحاح ستہ کے مصنفوں نے حدیث کے راوی کے لئے اپنی مروی حدیث کا معنے جاننا بھی ضروری نہیں

ہے بلکہ محض جاہل بالمعنے کی روایت بھی مقبول ہے ارشاد الساری جلد اول صفحہ ۱۴۳

بالمعنی ہے واستنبط من الحدیث ان حامل الحدیث یؤخذ عنہ ولو کان جاھلا بمعناہ

میں نہ ... راوی اگرچہ حدیث کا معنے نہ جانتا ہو لیکن اس کی حدیث مقبول ہے برخلاف اس

علیہ حضرت امام راوی کا حدیث کے معنے کا عالم ہونا شرط ٹھہراتے ہیں۔ بلکہ بعض حنفیہ

ث کبھی کا فقیہ (مجتہد) ہونا بھی شرط کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ فواتح الرحموت صفحہ ۱۴۳ و

۱۴۴۔ ایسا ہی مبتدع کی روایت محقق حنفیہ کے ہاں غیر مقبول ہے مگر صحیح بخاری میں

مبتدعین کی روایت کثرت سے لی گئی ہے۔ تو پھر ائمہ حنفیہ کے مرویات صحاح ستہ کے

مرویات سے زیادہ قابل اعتماد ہیں۔ ابن صلاح کا یہ قول کہ صحیحین کی احادیث قطعی

الصحت ہیں اور انکی صحت پر اجماع ہے اس کی خوش اعتقادی پر مبنی ہے ورنہ صحیحین

کی احادیث نہ تو قطعی الصحت ہیں اور نہ ان کی صحت پر اجماع ہوا ہے۔ بحر العلوم فواتح

الرحموت کے صفحہ ۱۴۴ پر لکھتے ہیں کہ ابن صلاح نے یہ ایک بہتان باندھا ہے صحیحین کے

مرویات قطعی الصحت ہونے پر کب اجماع ہوا ہے۔ ان میں کئی ایک متعارضہ احادیث مروی

ہیں پھر یہ اگر صحیح ہوں تو اجتماع نقیضین لازم آتا ہے جو محال ہے۔ مسلم الثبوت میں ہے

ابن صلاح کا یہ قول جمہور محدثین اور فقہاء کے برخلاف ہے۔ دوسرے ثقہ محدثین کے

روایات پر صحیحین کے مرویات کی ترجیح پر کبھی اجماع نہیں ہوا ہے۔ اور نہ صحیحین کے مرویات

صرف ان کے مرویات ہونے کی حیثیت سے قطعی الصحت ہو سکتے ہیں۔ بلکہ صرف

ظنی ... ہیں بحر العلوم یہ بھی لکھتے ہیں کہ صحیحین کے راویوں میں کئی راوی قدریہ

اور دوسرے مبتدع مذہب کے ہیں جنکی روایات کئی ایک محدثین کے نزدیک قابل

سماعت نہیں ہیں پھر کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ صحیحین کے مرویات بالاجماع صحیح ہیں

ہونا کہا جاتا ہے کہ ابن صلاح اور بعض دوسرے علماء کا قول کہ صحیحین کے مرویات

جو صحیح ہیں ان میں قطعی کا شبہ نہیں ہے ... اس بات پر اجماع ہے محض فرط

شوق کے سبب ان کے مونہہ سے نکلا ہے اور صرف اس کو بحکم قول العشاق یطوی
پروی کے نظر انداز کر دینا چاہئے۔ ورنہ صحیحین کی متعدد احادیث پر علماء اسلام
عدم صحت کا فتوے دیا ہے۔ چند تمثیلات بطور نمونہ پیش کرتا ہوں۔ خیال فرمائیے گا۔
صحیحین کی وہ حدیث جو حضرت ابن عمر سے ابی ابن سلول منافق کے جنازہ کی بابت
ہے کہ حضرت امیر المومنین عمر نے حضور علیہ السلام کو ابی کے جنازہ سے روکا تھا اور
فرمایا تھا سازید علی السبعین یہ حدیث قاضی ابو بکر باقلانی۔ امام الحرمین۔ امام حجۃ الاسلام
غزالی۔ امام داودی کے نزدیک وضعی ہے ملاحظہ ہو مستصفے مصنفہ امام غزالی۔ فواتح
الرحموت مصنفہ بحر العلوم عبد العلی صفحہ ۲۹۶ ارشاد الساری صحیح بخاری۔ برہان میں
لکھا ہے کہ اس حدیث کو اہل حدیث صحیح نہیں مانتے (۲) حدیث مرویہ صحیحین لا یبقی
علی ظہر الارض بعد مأتہ سنۃ نفس منفوسۃ۔ کو بعض ائمہ حدیث نے اس لیے
موضوع قرار دیا ہے کہ یہ واقع کے برخلاف ہے ملاحظہ ہو فواتح الرحموت صفحہ ۱۲
(۳) امام بخاری نے آیت اعیذہا بک وذریتہا من الشیطن الرجیم کی تفسیر میں
... حدیث روایت کی ہے کہ حضرت مسیح اور اس کی والدہ کے بغیر مس شیطان
ولادت کے وقت کوئی شخص نہیں بچتا علامہ زمخشری کو اس کی صحت میں کلام ہے
اس حدیث کی شرح میں شروح بخاری ملاحظہ ہوں۔ پھر تفسیر کشاف مطبوعہ مصر صفحہ
نیز ابن حبان نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے سیدۃ النساء
فاطمۃ الزہراء کے تزویج کے وقت مولانا علی اور حضرت فاطمۃ الزہراء کے حق میں بھی انہی
الفاظ سے دعا فرمائی تھی کہ انی اعیذہا بک وذریتہا من الشیطن الرجیم۔ پھر کون
مسلمان حضرت کی دعا کو مریم کی دعا سے قبولیت میں کم سمجھتا ہے۔ پس شیخین کی حدیث
جو حصر موجود ہے کہ مریم و عیسے کے بغیر کوئی متنفس بھی مس شیطان سے ولادت کے
وقت محفوظ نہیں ہے ظاہری معنی پر صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اس لئے قاضی ثناء اللہ

...طوی ...ب مرحوم نے تفسیر مظہری صفحہ ۲۷۶ میں اس کی تاویل کر کے حصر اضافی قرار دیا ہے
...لام حدیث کے الفاظ سے سراسر برخلاف ہے)

...گا۔ (صحیح مسلم کے باب ترک الاذان میں ابن عباس سے ایک حدیث مروی ہے جس میں ایک فقرہ ان النبی یصلی بعرفۃ
...ت بھی ہے۔ اسی حدیث میں بجائے اس فقرہ کے امام بخاری نے ان النبی یصلی فی منی روایت کیا ہے قصہ بھی ایک اور
...اور یہی ایک ہے مگر دونوں بزرگوں کے مرویات میں ایسا تعارض ہے جو کسی طرح دفع نہیں
...ایا۔ امام بخاری کی روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام منی میں نماز پڑھ رہے تھے جب
...فون عباس آئے۔ برخلاف اس کے امام مسلم روایت کرتے ہیں کہ عرفہ میں آپ نماز
...ن پڑھ رہے تھے جب ابن عباس آئے۔ اس جگہ علامہ ابن حجر نے امام بخاری کے حق میں
...فیصلہ دیدیا ہے کہ مسلم کو وہم ہوا ہے یا اس کے راوی کو پھر عرفہ کی روایت صحیح نہیں
...سکتی ہے (ملاحظہ ہو قسطلانی جلد اول صفحہ ۳۷۹)

...(۵) صحیح بخاری باب الاذان بعد طلوع الفجر میں عبداللہ بن عمر سے مروی ہے۔ اخبرتنی
...حفصۃ ان رسول اللہ کان اذا اعتکف المؤذن وبدا الصبح الخ۔ بخاری کے تمام راوی
...اس فقرہ کو اسی طرح روایت کرتے ہیں۔ برخلاف اس کے امام مالک موطا میں اس فقرہ
...کو اس طرح روایت کرتے ہیں۔ اذا سکت المؤذن من اذان صلوۃ الصبح الخ۔ امام
...بخاری اعتکف روایت کرتے ہیں اور امام مالک سکت۔ اس حدیث کے مضمون سے
اعتکف کے لفظ کو کوئی ربط نہیں ہے اور صریحاً غلط معلوم ہوتا ہے علامہ ابن حجر
لکھتے ہیں کہ بخاری کی روایت میں اعتکف کا لفظ غلط ہے (ملاحظہ ہو قسطلانی جلد ثانی صفحہ ۱...

(۶) باب احتساب الآثار میں امام بخاری نے حضرت انس سے جو حدیث روایت کی ہے
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت ونکتب ما قدموا وآثارھم مدینہ میں بنو سلمہ کے حق میں اتری
ہے۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں فیہ غرابۃ لان السورۃ مکیۃ یعنی یہ روایت غریب ہے
کیونکہ سورہ مکہ میں اتری ہے (قسطلانی جلد ثانی صفحہ ۲۶)

(۷) صحیح بخاری باب اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلاۃ الا المکتوبۃ میں مالک
بن بحینہ نام ایک صحابی لکھا ہوا ہے امام نسائی[لہ] - دارقطنی - وغیرہ حفاظ لکھتے ہیں
نہ مالک صحابی ہے نہ اُس کی ماں کا نام بحینہ ہے - بلکہ عبداللہ بن بحینہ ایک صحابی
ہے - قاموس میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

(۸) باب الجہر بقراۃ صلوٰۃ الفجر - میں ابن عباس کی حدیث جو بخاری میں
ہے مسلم کی روایت سے معارض ہے قسطلانی جلد ۲ صفحہ ۷۹ -

(۹) بخاری کے باب سنۃ الجلوس میں فقرہ حتی یعود کل فقار مکانہ کی
سے مروی ہے جیسا کہ شیخ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں - جس کا یہاں کوئی معنی
ہے - قسطلانی جلد ثانی صفحہ ۱۰۶ و ۱۰۷ اور یہ غلط ہے کہ فقار (فا کی تقدیم سے) سے بگاڑا
ہوا ہے -

(۱۰) باب فضل العمل فی ایام التشریق - میں آیت کریمہ واذکروا اللہ فی ایام معدودات
کو بخاری کے نسخہ کی روات (کریمہ - ابن شبویہ - حموی - مستملی - کشمیہنی) نے تین طرح
کہا ہے - واذکروا اللہ فی ایام معلومات - ویذکروا اللہ فی ایام معدودات - ویذکروا
اللہ فی ایام معلومات - اور تعجب ہے کہ تینوں روایات قرآن کے برخلاف اور غلط ہیں
اس موقع پر صحیح بخاری کی شراح کو نہایت ہی مشکل پیش آئی ہے - بعض نے جواب دیا
کہ قرآن کریم کی آیت نہیں ہے بلکہ یہ ابن عباس کا قول ہے - یہ جواب سیاق و سباق
کے برخلاف ہے - ہاں فتح الباری میں ابو ذر کی کشمیہنی سے روایت کی علامت سے آیت
درست لکھی ہوئی ہے - ویذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات - اور یہ سورۂ حج کی آیت
سے مطابق ہے - بعد کی تصحیح معلوم ہوتی ہے۔

[لہ] [illegible] فی الباب [illegible] البقیع [illegible] البخاری [illegible]
[illegible] المدینہ [illegible]

(۱۱) باب سئوال الناس الامام اذا قحطوا۔ صحیح بخاری کے اس باب میں ابن عمرؓ کی حدیث کا فقرہ یجیش کل میزاب کو صحیح بخاری کے نسخہ راوی حموی اور کشمیہنی نے حتیٰ یجیش ملت میزاب لکھا ہے۔ جن لوگوں کو۔ کل۔ اور۔ لت۔ میں تمیز نہیں ہے وہ نسخہ کے راوی ہیں پھر عذر یہ ہوتا ہے کہ معنی نہیں جانتے تھے (عذر بیست بدتر از گناہ)

(۱۲) امام بخاری نے فضل صلوۃ الفجر میں ایک حدیث روایت کی ہے جس کے اخیر قرآن کی آیت وسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا۔ کو فسبح۔ فا کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(۱۳) صحیح بخاری باب رفع الامام یدہ فی الاستسقاء۔ میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کان النبی لایرفع یدیہ فی شیئ من دعائہ الا فی الاستسقاء یہ حدیث قریباً تیس صحیح احادیث مرویہ صحیحین وغیرہ سے متعارض ہے۔ خود امام بخاری نے باب رفع الیدین میں روایت کیا ہے کہ حضرت نے بقیع کے مدفونوں کے لئے دعا کی اور تین دفعہ ہاتھ اٹھائے ایسا ہی صحیح مسلم میں بھی مروی ہے۔ یہاں دفع تعارض کے لئے بخاری کے شراح

....

.... نے بہت ہاتھ پاؤں مارے ہیں اور آخری حیلہ یہ سوچا ہے کہ لایرفع یدیہ میں جو نفی ہے وہ کمال کی نفی ہے اصل رفع کی نہیں ہے۔ مگر انصاف تو جب معلوم ہو کہ یہ محقق شراح حدیث لاصلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب میں بھی کمال کی نفی مراد رکھنے پر نہ گھبرایا کریں۔

(۱۴) صحیح بخاری باب مایقال اذا امطرت میں مروی ہے قال ابن عباس اوکصیب ھو المطر وقال صاب واصاب یصوب۔ فاضل قسطلانی کی رائے میں یہاں صاب یصوب واصاب چاہئے۔ ارشاد الساری صفحہ ۲۰۰ جلد ۲۔

تھی اور اسی ایک نماز کی ہر ایک رکعت کے رکوعوں کی تعداد میں بخاری، مسلم، ابوداؤد کی روایات متعارض ہیں۔ بخاری حضرت عائشہ رضؓ سے ہر ایک رکعت میں دو رکوع روایت کرتے ہیں۔ امام مسلم ایک روایت میں حضرت عائشہؓ اور جابرؓ سے ہر ایک رکعت میں تین اور حضرت ابن عباسؓ سے ہر ایک روایت میں چار رکوع روایت کرتے ہیں۔ ابوداؤد ابی بن کعب سے اور بزاز حضرت علیؓ سے ہر ایک رکعت میں پانچ رکوع روایت کرتے ہیں امام ابن قیم نے امام شافعی۔ احمد بن حنبل۔ امام بخاری سے نقل کیا ہے کہ یہ حضرات دو رکوع سے زیادہ والی تمام روایات کو غلط کہتے تھے۔ کیونکہ چونکہ قصہ اور واقع ایک ہے تو تمام روایات صحیح نہیں ہو سکتیں۔ (فتح الباری۔ ارشاد الساری صفحہ ۲۱۷ ملاحظہ ہوں)

(۱۶) باب التعوذ من عذاب القبر فی الکسوف اس باب میں امام بخاری نے وہی پہلی حضرت عائشہ والی روایت کی ہے مگر برعکس پہلی روایت کے یہاں پہلی رکعت کے دو رکوع اور دوسری کا ایک رکوع روایت ہوا ہے۔ پہلی دونوں رکعت کے دو دو رکوع روایت ہو چکے ہیں۔ قصہ۔ راوی۔ مخرّج۔ ایک اور یہ تناقض اور اندھیر۔ شارحین[۱] جو چاہیں کہیں مگر اہل انصاف پر سب حال ظاہر ہے۔

(۱۷) باب طول السجود فی الکسوف اس باب کی حدیث کے اسناد میں صحیح بخاری کے نسخہ کے راوی عمرو بن عاص اور عمر بن خطاب کی تعیین نہیں کر سکتے۔

(۱۸) باب سجود المسلمین مع المشرکین اس باب میں فقرہ وکان ابن عمر یسجد علی غیر وضوئہ پر صحیح بخاری کے نساخ باہمی مختلف ہیں بعض کہتے ہیں غیر کا لفظ غلط ہے علی وضوئہ صحیح ہے۔

(۱۹) باب ما جاء فی التقصیر وکم یقیم حتی یقصر۔ امام بخاری اس باب میں حضرت ابن عباس[۱] سے روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام فتح مکہ کے واقعہ میں انیس دن رہے ہیں۔ ابوداؤد

[۱] شارحین فرماتے ہیں یہاں راوی نے ایک رکوع کا ذکر چھوڑ دیا ہے اور پہلی روایات میں دونوں رکوع ذکر کرتا ہے۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ جہاں نماز کے ارکان بیان ہوتے ہیں وہاں کیا بعض ارکان اسی طرح حذف کئے جاتے ہیں کہ دھوکہ اور تعارض

سترہ ۔ آٹھارہ ۔ پندرہ ۔ روایت کرتا ہے اب فرمائیے کہ تعارض کس طرح رفع ہو قسطلانی کہتا ہے ان روایات کا جمع مشکل ہے امام شافعی ابوداؤد کی اٹھارہ رات والی حدیث کو ترجیح دیتے ہیں اس خیال سے بخاری کی روایت کا حال معلوم ہو سکتا ہے نیز وہ ترتیب بھی خیال میں آ سکتی ہے کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری ۔

(۲۰) باب کیف یکفن المحرم صحیح بخاری میں ابن عباس سے مروی ہے فان اللہ یبعثہ یوم القیمۃ ملبدا قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ بخاری کی روایت میں ملبدا غلط ہے لفظ ملبیا ہے ۔

(۲۱) باب حد المراۃ علی غیر زوجہا اس باب کی دوسری حدیث میں امام بخاری روایت کرتے ہیں لما جاء نعی ابی سفیان من الشام ترجمہ جب شام سے ابوسفیان کے موت کی خبر پہونچی ۔ شیخ بن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں ابوسفیان کی موت تو بالاتفاق مدینہ میں ہوئی ہے اس لئے حدیث کی صحت میں بحث ہے ۔

(۲۲) باب المیت یسمع خفق النعال اس باب کی حدیث میں امام بخاری لا تلیت روایت کرتے ہیں ۔ ابن انباری ۔ ابن سکیت ۔ خطابی کے نزدیک یہ لفظ غلط ہے صحیح اتلیت یا ایتلیت ہے ۔

(۲۳) باب ہل یخرج المیت من القبر واللحد اس باب کی دوسری حدیث کا ایک فقرہ غیر ہینۃ فی اذنہ ہے جو غلطی سے ہینۃ غیر اذنہ لکھا پڑا ہے ایسا ہی اس حدیث میں ستۃ اشہر لکھا ہے ابوداؤد کی روایت میں سبعۃ اشہر وارد ہے ۔

(۲۴) باب ای الصدقۃ افضل اس باب میں امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضرت کے مابعد تمام امہات المومنین میں سے پہلے حضرت زینب فوت ہوئی تھیں ۔ مگر بخاری کی یہ روایت بالاتفاق غلط ہے ۔ تمام امہات المومنین میں سے پہلے حضرت زینب فوت ہوئی تھیں جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ میں موجود ہے ۔ امام بخاری نے جیسا کہ صحیح

میں غلطی کی ہے ایسا ہی اُس نے اپنی تاریخ میں بھی غلطی کی ہے۔

(٢٥) باب لا صدقۃ الا عن ظہر غنی۔ اس باب میں امام بخاری نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے۔ ان رسول اللہ قال وھو علی المنبر وذکر الصدقۃ والتعفف و المسالۃ صحیح مسلم میں اس حدیث کا یہ فقرہ یوں مروی ہے والتعفف عن المسئلۃ۔ آگے چلکر اسی حدیث میں بخاری روایت کرتا ہے فالید العلیا ھی المنفقۃ ابوداؤد و غیرہ میں ہے۔ ھی المتعففۃ بخاری و مسلم پھر بخاری و ابوداؤد میں سے جس کو غلط کہو گے مصیبت ہی ہے۔

یہ کہ امام بخاری علیہ الرحمہ کے مرویات پر عمل کرنا بالاجماع ضروری ہے جیسا کہ لغو اور بیہودہ خیال ہے خلاف واقع بھی ہے صحیح بخاری کی متعدد احادیث پر جمہور علمائے امت نے عمل نہیں کیا۔ از انجملہ۔ (١) حضرت عائشہ صدیقہ سے امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ حیض سے غسل کرتے وقت عورت کو گندھے ہوئے بالوں کا کھولنا واجب ہے (٢) امام بخاری باب السمر بالعلم میں لکھتے ہیں خضر علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں (٣) باب وقت العشاء میں احادیث مرویہ بخاری سے عشا کا وقت نصف اللیل تک معلوم ہوتا ہے (٤) باب القرأۃ فی المغرب میں زید بن ثابت کی حدیث جو امام بخاری روایت کرتے ہیں اُس میں مذکور ہے کہ حضرت مغرب کی نماز میں سورۂ انعام اور اعراف یا سورۂ نساء اور مائدہ پڑھا کرتے تھے۔ امام ابوحنیفہ رح کے بغیر تمام علمائے کرام امت کے مذہب میں اس قدر طویل قرأت پڑھنے سے مغرب کا وقت نکل جاتا ہے (٥) باب ما یعدی یا لکبیر حین یسجد اس باب میں ابن عمر رض سے مروی ہے انہ کان یصنع یدیہ قبل ان کبتیہ۔ صرف امام مالک کا مذہب ہے ہر سہ امام اور جمہور علمائے امت اس کے برخلاف ہیں (٦) باب کلام الامام والناس فی خطبۃ العید اس باب کی جملہ احادیث صحیحہ کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں جو صرف حنفیہ کرام کا مذہب ہے (٧) باب الدعا فی الاستسقاء قائما

ن باب میں عبداللہ بن زبیر کی حدیث کا یہ مقتضا ہے کہ استسقا میں نماز سے پہلے خطبہ
پڑھا جاوے۔ جو جمہور علماء امت کے مذہب کے برخلاف ہے۔

اکثر عوام کا یہ خیال ہوتا ہے کہ حنفیہ کرام صحیح بخاری کی احادیث پر عمل نہیں کیا کرتے
حضرات شافعیہ کا دستور العمل بخاری کی احادیث ہیں۔ اور یہ خیال سراسر بے اصل اور غلط
و فرو ہے۔ صحیح بخاری کی بہت سی احادیث پر شافعیہ عمل نہیں کرتے از انجملہ (۱) امام بخاری فرماتے
ہیں حاملہ کا خون بھی حیض ہی ہے یہ صرف امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے امام شافعی قول جدید
میں اس کے برخلاف ہیں (۲) امام بخاری کے نزدیک ایک ماہ میں تین حیض آکر عدت
منقضی ہو سکتی ہے امام شافعی اس کے برخلاف ہیں (۳) امام بخاری مستحاضہ کے لئے ہر نماز
کے وقت غسل واجب کہتے ہیں۔ ایسا ہی امام مسلم ابوداؤد ہیں امام شافعی اور جمہور علماء امت
اس کے منکر ہیں (۴) امام بخاری تیمم میں مونہہ اور ہاتھوں کا مسح صرف ایک دفعہ
ہاتھ ارنے سے جائز رکھتے ہیں۔ نیز امام بخاری بازو کا مسح تیمم میں ضروری نہیں سمجھتے
صرف ہاتھ کا مسح کافی خیال فرماتے ہیں جو امام شافعی اور امام اعظم کے مذہب کے خلاف
ہے (۵) امام بخاری تیمم میں ترتیب فرض نہیں کہتے امام شافعی مخالف ہیں (۶) امام بخاری
کپڑے کے ہی جزو پر سجدہ کر لینا جائز فرماتے ہیں یہ امام صاحب کا قول ہے لیکن امام شافعی مخالف
ہیں (۷) امام بخاری آبادی کے باہر بھی حنفیوں کی طرح بول کرتے وقت قبلہ کو رخ کرنا منع
فرماتے ہیں مگر امام شافعی مخالف ہیں (۸) امام بخاری مسجد میں رہا کرنا جائز فرماتے ہیں حنفیہ
کا بھی یہی قول ہے پر حضرت امام شافعی برخلاف ہیں (۹) امام بخاری اونٹوں کی نشستگاہ
میں نماز پڑھنا جائز سمجھتے ہیں امام شافعی اور امام مالک نہیں مانتے (۱۰) امام بخاری
فوائت کے لئے اذان کہنے کے قائل ہیں اور امام شافعی منکر (۱۱) امام بخاری تسویۃ الصف
کے وجوب کے قائل ہیں امام شافعی اور جماہیر امت اس کے برخلاف ہیں۔ (۱۲) امام

لہ قسطلانی جلد اول صفحہ ۲۹۱

بخاری حنفیوں کی طرح عبد اللہ بن مسعود کے التحیات کو پسند فرماتے ہیں اور امام شافعی
ابن عباس کے التحیات کو (۱۳) صلوۃ الخوف میں امام بخاری کے مرویات امام اعظم کے
مذہب کے موافق اور امام شافعی کے مخالف ہیں (۱۴) امام بخاری عید کا باہر میدان میں
پڑھنا بہتر کہتے ہیں اور امام شافعی فراخ مسجد میں۔ (۱۵) امام بخاری فرماتے ہیں حضرت
غیر وتر میں قنوت صرف ایک ماہ پڑھ کر چھوڑ دیا تھا جیسا کہ حنفیہ کا قول ہے امام شافعی
مخالف ہیں (۱۶) امام بخاری کے نزدیک حنفیوں کی طرح قنوت وتر کے مابعد ہے اور
امام شافعی کے نزدیک ماقبل۔ (۱۷) امام بخاری صلوۃ الکسوف میں قرأت کے جہر کے
قائل ہیں حنفیہ اور شافعیہ مالکیہ اور جمہور اس کو نہیں مانتے (۱۸) امام بخاری فرماتے ہیں
غلطی سے اگر واجب الاداء غنی کو دیا جاوے تو ادا ہو جاتا ہے حنفی موافق اور شافعی مخالف
ہیں۔ مشتے نمونہ از خروارے۔ واللہ اعلم۔

تاریخ طبع رسالہ ہذا از خاکسار محمد حسین معلم عربی اسلامیہ ہائی اسکول ولپنڈی

بہ سرور نفع جہاں چہ خوش ترہا مد این نظام فیضی	رسالہ خوش نوشت و آمد بگوش عالم کلام فیضی
بوقت طبعش حسین تاریخ جستہ چوں از سر اشتیاق سالش	بگفت ہاتف بگو عجیبہ چہ سودمند این کلام فیضی ۱۳۱۵

سُنَّةُ الرَّسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ کے ساتھ دوسرا استدلال

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا لما نزلت آخر البقرة قرأهن النبی صلی اللہ علیہ
وسلم علیہم فی المسجد ثم حرّم التجارة فی الخمر۔ رواہ البخاری فی ابواب المساجد
وابواب الربوا وتفسیر سورة البقرة۔ ترجمہ۔ ام المومنین حضرت صدیقہ فرماتی ہیں بقرہ
بقرہ کی آخری آیات متعلقہ سود کے نزول کے وقت حضور علیہ السلام نے مسجد میں جا کر وہ

...یات صحابہ کرام کے سامنے پڑہیں۔ پھر اسکے مابعد شراب کی تجارت حرام فرمائی۔ اس حدیث
کا صریح منطوق ہے کہ آیات متعلقہ حرمت سود سے حضور علیہ السلام نے شراب کی تجارت
کی حرمت پر استدلال کیا ہے۔ پھر یہ کہ آیات موصوفہ کے نزول سے پہلے شراب کی تجارت
یا مطلقاً حلال تھی۔ یا اس کا کوئی حصہ حلال تھا جو اب آیات موصوفہ کے نزول سے حرام
ہوگیا۔ اس بات کا تو پہلے فیصلہ ہوچکا ہے کہ یہ آیات آپ کی وفات سے تہوڑا عرصہ پہلے نازل
ہوئی ہیں۔ اور یہ بھی گذرچکا ہے کہ شراب کی حرمت بھی ان آیات کے نزول سے

. . . .

...ت بہت پہلے ثابت ہوچکی تھی۔ پھر امام اعظم علیہ الرحمۃ کی روایت سے عقود الجواہر
المنیفہ میں نیز صحیح مسلم میں مروی ہے کہ ثقیف میں ابو عامر ایک شخص تھا۔ جو ہر سال آپکو
شراب کی ایک مشک نذر کیا کرتا تھا۔ شراب کی حرمت کے سال بھی اُس نے شراب
نذر کیا۔ مسترد ہونے پر اُس نے عرض کیا کہ فروخت کردیا جاوے۔ حضور علیہ السلام نے
ارشاد فرمایا کہ شراب کی تجارت اور اس کا پینا دونوں حرام ہوچکے ہیں۔

اس حدیث سے ثابت ہوگیا کہ نفس شراب کی حرمت کے ہمراہ ہی شراب کی
تجارت بھی حرام کی گئی تھی۔ پھر ان دونوں کے یکجا کرنے سے یہ بات صاف ظاہر
ہوجاتی ہے۔ کہ شراب کی تجارت کے کچھ جزئیات تو شراب کی حرمت کے ساتھ ہی حرام
ہوچکے تھے۔ پر کچھ جزئیات آیات متعلقہ سود کے نزول تک حلال اور جاری رہے
آیات الربا کے متعلق جو بحث میں نے اس رسالہ میں لکھی ہے۔ اس پر دوبارہ نگاہ ڈالنے
سے حضرت عائشہ والی حدیث کا معنے صاف ہوجاتا ہے۔ اور صورت استدلال پورے
طور پر کھل جاتی ہے۔ اس طرح پر کہ آیات الربوا میری پچھلی تحقیقات پر سود کے اُن جزئیات
کے متعلق ہیں جو دار حرب کے کافروں اور مسلمانوں کے درمیان پہلے حلال اور رائج
تھیں پھر دار حرب کے دار الاسلام ہوجانے پر بذریعہ اُن آیات کے حرام کردی گئیں۔

اسی طرح شراب کی تجارت فیما بین المسلمین تو شراب کی حرمت کے ساتھ ہی حرام ہو چکی تھی
حربی کافروں اور مسلمانوں کے درمیان حلال اور رائج رہی جب آیات متعلقہ تحریم سود نازل ہوئیں
اور وہ سود جو بہ وجہ دار حرب ہونے کی وجہ سے مسلمانوں اور کافروں کے درمیان حلال تھا
حرام ہو گیا۔ تو بعینہ اسی وجہ سے مسلم و غیر مسلم کے مابین رائج تھی حرام ہو گئی۔ صورت استدلال
فقرہ ثم حرم التجارة فی الخمر اس کے بغیر کوئی معنے نہیں ہو سکتا۔ ہمارے پچھلے محدثین
رحمۃ اللہ علیہم نے اس حدیث کی لغو اور بیجا تاویلیں کی ہیں۔ جن کا ذکر فضول معلوم ہوتا ہے۔

ہمارے اسی دعوے پر صحیح قیاس بھی شاہد ہے

علامہ عینی نے بنایہ میں اور شیخ ابن الہمام نے فتح القدیر میں فیصلہ کر دیا ہے کہ اگر قرآن
یا حدیث حضرت امام کے حق میں نہ بھی ہوتے۔ جب بھی صحیح قیاس آپ کے حق میں فیصلہ
دیتا ہے۔ کیونکہ سود کی بابت جس قدر نصوص آئی ہیں وہ مال محترم سے مخصوص ہیں۔ اور
دار حرب میں غیر مسلم کا مال محترم نہیں ہوتا۔ پس غدر کے بغیر تمام وجوہ و اسباب سے اس
کا حاصل کر لینا جائز اور حلال ہے۔ ہدایہ کی شرح میں حسب ذیل عبارت ہے ولو سلم عدم
ثبوته عند الامام ایضاً فلا تحتاج لجانب من الجانبین من السمعی مما یعتمد
علیه لان اطلاق نصوص الربا خیر کاف لانها معللة بحرمة المال وعصمته و
احترامه واذا انقطع السمع صرنا الى القیاس وهو معنا کما ذکره المصنف فتح القدیر
میں شیخ ابن الہمام فرماتے ہیں۔ المطلقات مراد بمالها المال المحظور بحق مالکه
ومال الحربی لیس بمحظور الا لتوقی الغدر وهذا التقریر فی التحقیق یقتضی انه
لو لم یرد خبر مکحول اجازه النظر المذکور۔ ازمنہ دونوں عبارتوں کا خلاصہ ترجمہ
یہ ہے کہ اگر اسی مسئلہ میں صحیح حدیث بروایت مکحول نہ بھی ہوتی جب بھی دار حرب میں مسلم
و غیر مسلم کے مابین سود حرام نہ ہوتا کیونکہ سود کی حرمت صرف ایسے مال سے وابستہ

و بلی ہی ہے۔ جو محترم ہو۔ اور اس کا مالک اسلام کی عصمت میں آچکا ہو۔ بہرحال وہ مال جو محترم
ور نازل نہیں ہے۔ اور اس کا مالک اسلامی حفاظت میں نہیں آگیا۔ وہ غدر کے وجوہات سے
صلاں تہا یں ل کرنا تو حرام ہے مگر غدر کے بغیر تمام وجوہ سے اُس کا حاصل کرنا جائز اور حلال ہے۔

اسلام کا ایسے غیر مسلم کے مال کو غیر محترم کہنا جو اسلام کی رعیت نہ ہو عدل و انصاف
پر مبنی ہے کیونکہ اسلام نے جیسا کہ ایسے غیر مسلم کے مال کو غیر محترم کہا ہے ایسا ہی اُس
کے مقابلہ پر مسلمان کے مال کو بھی اس غیر مسلم کے حق میں غیر محترم ہی لکھا ہے اور دونوں
کے حقوق مساوی رکھے ہیں اسلام کا انصاف اس مسئلہ سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ
دار حرب کے غیر مسلم اگر زبردستی سے دارالاسلام کے مسلمانوں کے اموال پر قبضہ کرلیں
تو یہ تمام اموال ان غیر مسلموں کے ملک میں آجاتے ہیں اور یہ املاک اسلامی شریعت میں
معتبر ہوتے ہیں اسی طرح مسلمان بھی اگر ان غیر مسلموں کے اموال پر غدر کے بغیر زبردستی
سے قابض ہو جاوے تو ان کا بھی ملک ثابت ہو جاتا ہے اس قانون میں اسلام نے
اپنی پیروؤں کے لیئے کوئی رعایت نہیں کی جب زبردستی (جو غدر سے نہ ہو) کا قبضہ ملکیت
ثابت کر دیتا ہے تو فریق ثانی کی رضامندی سے جو قبضہ بذریعہ معاملہ سود یا قمار کے کیا جاوے
وہ تو بطریق اولے مورث ملکیت ہو سکتا ہے۔

ہمارے ہندوستان کے علماء اسلام کے فتوے

شمس الہند حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب مرحوم (دہلوی) نے موجودہ شکل کے اندر ہندوستان
کے مسلم و غیر مسلم کے فیمابین سود کے حلال ہونے پر دھڑلے سے متعدد فتوے لکھے
ہیں جو ان کے فتاوے میں چھپ چکے ہیں فتاوے کی ترتیب پر ذیل میں لکھتا ہوں

فتوی نمبرا سوال سود دادن بر حربیان درست است یا نہ جواب عبارات کتب فقہیہ
حکم واقع شدہ اند دادن و گرفتن را شامل اند مثل لاربوا بین المسلم والکافر فی دار الحرب

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی در رسالہ توجیہ دادن سود نیز نوشتہ اند اینوقت بفقیر یاد نیست۔ لیکن ایں قدر ظاہرست کہ گرفتن سود از حربیاں بایں وجہ حلال است کہ مال حربی مباح ست اگر در ضمن آں نقض عہد نباشد و حربی چوں خود بخود بدہد بلا شبہ حلال خواہد بود۔ و دادن سود بہ حربیاں بایں وجہ حلال ست کہ خورانیدن حرام بہ مسلمانان درست نیست بلکہ[1] وآنہا حرام خوار اند اگر چیزے بطریق سود دادہ خواہد شد بیش ازیں نیست کہ حرام خواہد خورد و اما ذمیاں ہر چند کہ کافر باشند در دار الاسلام دادن سود بایں وجہ حرام است کہ ترویج معاملہ سود در دار الاسلام مے شود و در دار حرب ایں ہر دو علت مفقود ست۔ پس مباح باشد و تحقیق ایں ست کہ دادن سود بالتبع حرام ست کہ مال کسے نمیگیرد۔ بلکہ مال خود میدہد۔ و مال خود دادن گو دراں نقصان خود باشد خصوصاً برائے دفع حاجت و دفع ظلم مباح ست پس وجہ حرمت دراں ہمیں دو چیز ست یکے آنکہ غیر را حرام مے خوراند مثل دادن رشوت بقاضی و حاکم دوم آنکہ باعث ترویج ایں معاملہ در دار الاسلام میشود و لہذا۔ دادن سود بنا بر اضطرار در دار الاسلام ہم جائز داشتہ اند غرض کہ در گرفتن و دادن فرق بسیار ست گو در اصل وزر ہر دو شریک اند فتاوی عزیزیہ ص(۲) **فتوی نمبر ۲** ۔سوال۔ دیگر اہل اسلام بنا بر ضرورت از کفرہ مبلغ سود مے گیرند یعنے کفرہ را مبلغ مے دہند و ربو امے گیرند۔ و یا مبلغ قرض مے گیرند و سود مے دہند جائز ست یا نہ **جواب** شرطیکہ در دار حرب در روایات فقہیہ مسطور ست۔ ملاحظہ باید نمود چنانچہ بعضے ازاں دریں قرطاس ثبت خواہد شد۔ دریں اقلیم آں شروط را قیاس باید کرد اگر متحقق شد ناچار[2] ہمیں دار حرب قرار یافت۔ و بہ حکم اذا ثبت الشی ثبت بجمیع لوازمہ۔ ہرگاہ دار حرب ربو گرفتن و دادن بکفرہ آنجا جائز شد۔ زیرا کہ در ہدایہ مذکور ست ولا ربوا۔ الخ و قاعدہ مقررہ است کہ اطلاق فی الروایات نفی عن تعمیمہ۔ پس ہر دو صورت اخذ و اعطاء در نفی داخل شد لیکن مسلمان را باید کہ در دادن

[1] یعنے کافراں کہ در دار حرب ہستے مانند ۱۲ مؤلف
[2] رسالہ صفحہ ۱۸-۱۹ سے ظاہر ہوگیا ہے کہ حضرت مفتی صاحب کے سبب نمبر وطن قرار دادہ ہندوستان کو دار حرب کا حکم دیدیا ہے ۱۲ الصبر

ود بحربی احتیاط کنند فی ضرورت از هد - (فتوی عزیزیه ص۳۳) فتوے نمبر۳

فقیر را یا سوال - ربوا گرفتن از کافر در دار حرب نزد ابی حنیفه رح - و در هدایه روا نوشته خلافا لصاحبیه و
ست که مال حربی شافعی و نظیر بر تشبیه شارع که در کتاب و سنت واقع ست بر اخذ ربوا این مسئله بسیار مستبعد
حلال خوے نماید و معموله انگریزیه و اشباه ایشان دار حرب ست یا نه بیان فرمایند جواب و اخذ ربوا بین
ست نیست مسلم والحربی فی دار الحرب محمول بر ظاهر ست و موافق قاعده فقهیه است و ازین
خواهد خور مثل مسائل بسیار است مثل لاربوا بین المالک والمملوک وغیر ذالک - و اصل آنست
در هر جا که گرفتن مال حربیانا بلا غدر و خطر درست باشد - آنجا حرام نمے ماند و هر جا مسلم مستامن شده
باشد در دار حرب نمے ماند او را بزور گرفتن مال حربیان درست نیست و اگر بخوشی خود بدهد
بدهد ولو فی ضمن عقد فاسد آن شرط فاسد درست می شود لانه مباح الاصل فی حقه و انما
حرم تعرضه لاموالهم لما فیه من نقض العهد واذا بذلوها بالرضا فلا وجه للحرمة
و آنچه مرقوم شد که معموله انگریز و اشباه ایشان در حرب ست یا نه پس بدانند که معموله انگریز
و اشباه ایشان بلاشبه دار الحرب ست (فتاوی عزیزیه ص۱۱) فتوی ۱۲ سوال

بعضے از علماء امامیه پورب بجواز اخذ ربوا از انگریزان فتوے مے دهند و بر یک روایت مختلف
برای جر نفع عمل کردن و از نصوص دیگر که در عدم جواز موالات کفار وارد است کناره کردن
و با ایشان مصاحبت و موافقت نمودن همان حکم دارد که افتؤمنون ببعض الکتاب
وتکفرون ببعض معهذا در فتح این باب مساهله خواهد آمد و رفته رفته از کفار هند بل بین
المسلمین هم اخذ ربوا مضائقه نخواهد ماند - جواب مفاسد یکه در اخذ ربوا از حربیان مرقوم
شده بود واضح گشت اباحت اصلی این معامله مبحوث عنها است و معهذا مفاسد یکه درین
مرقوم شده اکثر آن مفاسد منقوض است بجهاد کفار که متضمن ست که قتل رجال و نهب
اموال و سبی ذراری و تخریب عمارات و احراق اشجار و زراعات را و ظاهر ست که این
عمل مسلمین در غایت قبح است - و منجر بودن این معامله بمفاسد دیگر را چیزے دیگر ست

کلام دراں نیست۔ بلکہ برفرض خلو ازیں مفاسد ست والا مباحات و مستحبات و مندوبات
بسبب محاورت مفاسد رہ کسوت حرمت مے پوشند۔ چہ جائے ایں مسئلہ کہ اباحت
آں نیز متفق علیہا ست مخصوص علمائے حنفیہ است۔ وتجویز علمارا نیز دریں مقام اعتبار
ندارد۔ زیراکہ نزد ایشاں از ذمیان و غیبان نیز اخذ ربوا جائز ست۔ وعمل نکردن اکثر اتحاد
برآیا تیکہ دال برتیری از کفار ست۔ البتہ موجب لعن در تدین آنہا ست۔ لیکن ایمان
ببعض الکتاب ولو بحر انفع ازاں قبیل نمے تواند شد کہ کلام بحسب ظاہر متوجہ شود۔ ولایقول
حساب الاسرائر۔ (فتاوی عزیزیہ صہ ۱۱۹)

مولانا محمد عبدالحی صاحب مرحوم نے بھی فتوی دیدیا ہے۔ کہ ہندوستان موجودہ شکل
کے اندر دار حرب ہے۔ اور اس کے مسلمان غیر مسلموں سے سود لینے کے مجاز ہیں۔ آپ
کا یہ فتوے اسی رسالے کے صہ ۱۹ پہ درج کر دیا گیا ہے۔

مولانا مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب تفریح ابحاث فرنگی
کے صہ ۱۰۹ سے صہ ۱۱۱ تک اس مسئلہ کو کہ دار حرب کے مسلمان اس جگہ کے غیر مسلموں سے
سود لینے کے شرعاً مجاز ہیں۔ نہایت ہی مدلل طور پر بیان کیا ہے چونکہ دلائل وہی ہیں
جو اس رسالہ میں درج ہو چکے ہیں۔ اس لئے الفاظ کے نقل کرنے کی ضرورت معلوم نہیں
ہوتی۔ مگر یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس کتاب پر لاہور۔ فیروز پور۔ ڈیرہ اسمعیل خاں۔ رام پور
بہاولپور گجرات مکہ مکرمہ وغیرہ کے ۶۹۔ کس فاضلان اسلام کے مواہیر ثبت ہیں۔

ہمارے اسی دعوے پر دو زبردست عملی شہادتیں

اخبار انجمن پنجاب مطبوعہ ۹۔ جون ۱۸۶۶ء نمبر ۲۔ جلد ۲۔ صفحہ ۱۵۔ رقمطراز ہے کہ محمد علی شاہ
بادشاہ اودھ نے ۱۸۳۹ء میں ۱۲۔ لاکھ روپیہ چار روپیہ سیکڑہ سود پر گورنمنٹ انگریزی کو اس
غرض سے دیا تھا کہ اس کے سود سے امام باڑہ حسین آباد واقع شہر لکھنو کا خرچ ہوتا رہے

اس کے شاہ موصوف نے ایک اور رقم ۲۴ - لاکھ ۱۸ - ہزار پانچ سو روپیہ کی اسی سپردی اور اس کی وفات کے بعد ۲ لاکھ ۲۳ - ہزار روپیہ سود کے جمع تھے - وہ اصل میں شامل کردیئے گئے - یعنے سود کا بھی سود بڑھتا گیا - جب سے امام باڑہ آصفی کو اب نہایت استحکام وتقویت حاصل ہے -

پٹیالہ اخبار مطبوعہ ۴ مارچ ۱۸۷۲ء صفحہ ۱۴۸ - جلد ۲ - نمبر ۱۰ - لکھتا ہے کہ نواب اقبال الدولہ فضل علیخاں بہادر شیعہ مذہب نے ایک لاکھ ۷۳ - ہزار روپیہ اس غرض سے گورنمنٹ کو دیا تھا کہ اس کے سود سے دہلی میں ایک عربی مدرسہ قائم کیا جاوے اور یہی سرمایہ نواب فنڈ کہلاتا ہے -

یہ دو زبردست شہادتیں ہندوستان کے مسلمانوں کی آنکھوں کے سامنے موجود ہیں - اور ممکن نہیں کہ یہ دونوں رقمیں علماء اسلام کے استصواب کے بغیر سود پر دی گئیں ہوں علے الخصوص جب کہ یہ روپیہ کار خیر پر خرچ ہوتا تھا - امام باڑہ شیعہ کے ہاں ایک بابرکت مقام ہے - اور اس جگہ جو صرف ہوتا ہے اس کا مال طیب ہونا مذہب کے رو سے ان کے ہاں شرط ہے - پھر محمد علیشاہ صاحب کا تدین اور اسلام اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ انہوں نے علماء اسلام کے فتوے کے بغیر اپنی یہ رقم سود پر دی ہو - اسی طرح نواب مرحوم کی نیک دلی اس کی اس فیاضی سے اور علے الخصوص عربی زبان کی قدردانی سے قیاس کی جاسکتی ہے - کیونکر ممکن ہے کہ اس نے علماء اسلام کی اجازت کے بغیر یہ کام کیا ہو - ایک انصاف پسند نیک دل آدمی کی تسلی خاطر کے لئے یہ دونوں شہادتیں کافی ہیں - اب میں خیال کرتا ہوں کہ میں نے سود کے متعلق جو بحث لکھی ہے - وہ کافی ہے - واللہ اعلم عند اللہ العزیز العلیم +

ہندوستان کے مسلمان اور اُن کا فرض

ہندوستان کے مسلمان جو سرکار انگریزی کے حفاظت میں امن واطمینان سے
ہیں ان کا نام اسلامی اصطلاح میں مستامن ہے۔ نیز وہ مسلمان جو افغانستان یا
ممالک سے ہندوستان میں بغرض سیاحت یا تجارت وارد ہوتے ہیں۔ وہ بھی م
ہی کہلاتی ہیں۔ مستامنوں کے لیے شریعت محمدیہ (صلوات اللہ علی ہادیہا) نے ایک
مستقل باب میں کچھ احکام لکھے ہیں۔ جن کا لب لباب یہ ہے۔ کہ یہ مسلمان اپ
عہد کے برخلاف کوئی کام نہ کریں۔ ورنہ غادر کہلائینگے۔ اور حضور علیہ السلام کے ا
پاک اور سچے ارشاد کے معرض عتاب میں آجائیں گے کہ ینصب لکل غادر لواء یوم
القیمۃ۔ قرآن کریم جو خدا کی آخری الہامی کتاب ہے۔ اور اس آخری سچے ہادی ص
اللہ علیہ وسلم کی مرحومہ اُمت کا قطعی دستور العمل ہے۔ اس میں عہد توڑنے کی سخت
ممانعت ہے۔ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ۔ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا۔ پس ہم مسلمانوں کو سر
انگریزی کے ملک وسایہ عاطفت میں رہ کر کوئی ایسی حرکت کرنا جو بدعہدی کی تعریف
کے ضمن میں آسکے اسلام کا ایک بھاری گناہ ہے۔ اسلام کبھی اجازت نہیں دیتا ک
مستامن دارالامن میں کوئی خیانت یا سرقہ کرے۔ کسی جان کا نقصان کرے۔ افغانست
کے بعض مسلمان جو ہندوستان میں آکر بعض وقت کوئی فساد کر گذرتے ہیں۔ وہ اُن کی
جبلت اور فطرت کا تقاضا ہے اور شخصیات میں داخل ہے۔ اس کو اسلام کی تعلیم
کا نتیجہ خیال کرنا چاند کے منہ پر تھوکنا ہے۔ اسلام کے پاس قرآن وحدیث سے
سوا دوسری کوئی چیز دستور العمل نہیں ہے۔ پھر قرآن وحدیث میں متعدد جگہ دارالامن

میں فساد کرنے کی ممانعت درج ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے وَلَا تَغُلْ دُونَهُمْ
غدر نہ کرو۔ مسلمانوں کے جملہ مذاہب میں یہ حدیث بالاتفاق واجب العمل ہے
مجھے یاد ہے کہ ۱۸۹۷ء کے سراج الاخبار جہلم کے کسی پرچہ میں میں نے اس مسئلہ
پر ایک مفصل بحث لکھی تھی۔ جس کو بہت سے اخباروں نے نقل کیا تھا۔ ھذا و
العلم عند اللہ اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد۔ خاکسار۔ ابوالفیض محمد حسن فیضی
متوطن بھیں علاقہ چکوال۔ ضلع جہلم۔ پنجاب۔ ۹۔ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ ہجریہ علی صاحبہا التحیۃ

تمام شد